قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

اشاعت کا پچھترواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

مئی 2018ء

علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

''لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' (الحدیث) حضرت محمد ﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے



غریبِ شہر ہوں مَیں، سُن تو لے مری فریاد
کہ تیرے سینے میں بھی ہوں قیامتیں آباد

گِلہ ہے مجھ کو زمانے کی کور ذوقی سے
سمجھتا ہے مری محنت کو محنتِ فرہاد

(اقبالؒ)

رکوع وسجود وعبادت کا مقصد

جب ذہنِ انسانی اپنے عہد طفولیت میں تھا تو وہ (بچے کی طرح) محسوس اشیاء ہی کو سمجھتا تھا اور اپنے خیالات کا اظہار بھی محسوس طور پر کرتا تھا۔ آج کل کی علمی اصطلاح میں یوں کہئے کہ اس کا علم (Sense Perception) یعنی حواس کے دائرہ میں محدود تھا۔ وہ ہنوز تصورات (Concepts) کے ذریعے حصولِ علم یا اظہارِ خیالات کی منزل تک نہیں پہنچا تھا۔ یعنی وہ (Formalism) کی منزل میں تھا۔ اس نے ''خدا'' کے لئے محسوس پیکر تراش رکھے تھے۔ پوجا پاٹ کے طریق اور دیگر مذہبی رسوم و تقاریب میں بھی سارا زور شکل (Form) پر دیا جاتا اور اسے ہی مقصود بالذات سمجھا جاتا تھا۔

قرآن کریم نے اپنی تعلیم میں انسان کو عہد طفولیت سے نکال کر سن شعور اور بلوغت میں لا کر مخاطب کیا ہے۔ وہ علم بالحواس کے ساتھ تصوراتی علم پر بھی زور دیتا ہے اور دین کے معاملہ میں بھی شکل کی بجائے معنویت (مقصود ومفہوم) کی اہمیت کو نمایاں کرتا ہے لیکن وہ شکل کو بالکل ترک نہیں کرتا۔ عبادات میں رکوع وسجود میں انسان سچ مچ اپنا سر خدا کے سامنے جھکاتا ہے۔ جسم کی ان حرکات و سکنات کے پیچھے ایک فلسفہ کارفرما ہے جسے دورِ حاضر کی اصطلاح میں متوازیت (Parallelism) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفس (Mind) کے ارادے اور اس کے جسم کی حرکت میں گہرا تعلق ہوتا ہے اور یہ دونوں متوازی چلتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کو تصورات کی تعبیر کے لئے شکل (Form) کے بغیر نہ چارہ ہوتا ہے' نہ تسکین۔ بڑے سے بڑا تصوراتی مفکر بھی جب بات کرتا ہے تو اس کے ہاتھ' پاؤں' سر' آنکھ کی حرکات ناگزیر ہوتی ہیں۔ وہ ان محسوس اشارات کے بغیر اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کر ہی نہیں سکتا۔ (وہ اس طرح مجرد حقائق (Abstract Truths) کو بھی محسوس مثالوں سے سمجھاتا ہے) یہ وجہ ہے کہ قرآن کریم نے (Form) سے اس قدر بلند ہو جانے کے باوجود' بعض مقامات میں اسے باقی رکھا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ انسان کا اس طرح خدا کے سامنے سر جھکا دینا' اس کے اس جذبہ اور ارادہ کا محسوس مظاہرہ ہوگا کہ وہ قوانین خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ یعنی وہ خدا کی کامل اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ یہ ''محکومی'' درحقیقت' زندگی کی بلند' مستقل اقدار کو ازخود اپنے اوپر عائد کرنا ہوتا ہے۔ کسی کی خارج سے عائد کردہ پابندیاں نہیں ہوتیں۔ نہ ہی اس میں (Worship) کا وہ مفہوم ہوتا ہے جسے زمانہ قدیم کے انسان نے' فطرت کی قوتوں سے ڈر کر' انہیں خوش کرنے کے لئے' اپنے ذہن سے وضع کیا تھا۔ اگر انسان کا

بقیہ صفحہ نمبر 66 پر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

مئی 2018ء

جلد 71 | شمارہ نمبر 05

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: کیا وہ لوگ موجود ہیں؟	ادارہ	4
یہ تھا نظامِ مصطفےٰ ﷺ!	پرویزؒ	8
دوقومی قرآنی نظریہ پر مطالبہ پاکستان	ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد	17
احمدیت	خواجہ ازہر عباس، کراچی	26
باب المراسلات	ادارہ	36
میں فکرِ قرآنی سے کیسے متعارف ہوا؟	عطاء الرحمٰن بخاری	44

ENGLISH SECTION

Manzil ba Manzil (منزل بہ منزل) (Episode-2)

Chapter 4: Builder of Kaaba (*Mei'mar Haram* - معمارِ حرم) – 60

To leaders of Spring's caravan

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

ناشر و چیئرمین: محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق، ڈاکٹر منظور الحق

خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی: محمد سلیم اختر

قانونی مشیر: ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

ادارہ کا مضمون نگار کی تحریر سے کُلّی اتفاق ضروری نہیں۔

زرِ تعاون:
پاکستان: 50 روپے فی پرچہ
550 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 800 روپے سالانہ
بیرونِ ملک: 2500 روپے سالانہ
رجسٹرڈ ڈاک: 5000 روپے سالانہ

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان)

Phone: 042-35714546 , Cell: 0321-4460787

idarati@gmail.com

www.facebook.com/Talueislam

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulberg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

طلوعِ اسلام

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہؑ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ وبر پیدا
ربود آں ترکِ شیرازی دل تبریز وکابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا
جہاں بانی سے ہے دشوار تر کارِ جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشمِ دل میں ہوتی ہے نظر پیدا
ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا
ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز وسازِ زندگی کہ دے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

کیا وہ لوگ موجود ہیں؟

مزدوروں کے مسئلہ کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ نہ یورپ کے پاس ہے نہ چین کے۔ اس کا علاج نہ مزدوروں اور محنت کشوں کی ہڑتالوں میں ہے نہ ان کے ساتھ مفاہمت میں۔ اس سارے فساد کی جڑ ''مزد'' (اُجرت) کا غلط نظریہ ہے، اور جب تک یہ نظریہ باقی ہے، یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ اس کا حل صرف قرآن کے معاشی نظام میں مل سکتا ہے جس کی بنیاد حیاتِ آخرت کے ایمان پر ہے۔ اس نظام میں ہر فردِ معاشرہ محنت کش یا کام کرنے والا (ورکر) ہوتا ہے اور ہر ایک کو اس کی محنت کا پورا پورا ''صلہ'' ملتا ہے لیکن یہ صلہ اُجرت کی شکل میں نہیں ہوتا۔ یہ صلہ ملتا ہے یہاں کی طبعی زندگی کے لئے سامانِ پرورش اور آخرت کی زندگی کے مدارج کے تعین کی شکل میں۔ قرآن کریم میں شروع سے آخر تک دیکھ جایئے، اس میں صلہ یا بدلہ عمل کا ملتا ہے۔ ''مذہب'' کی دنیا میں (عمل کی جمع) اعمال سے مراد چند مخصوص رسمیں ہوجاتی ہیں لیکن عمل کے سیدھے سادے معنی کام ہیں۔ اور جب کوئی کام، دین کے پروگرام کے مطابق کیا جائے تو وہ عملِ صالحہ بن جاتا ہے۔ ان اعمال (کاموں) کا بدلہ اس دنیا میں، رزقِ کریم (باعزت روٹی) کی شکل میں ملتا ہے، اور آخرت میں خوشگوار زندگی کی صورت میں۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ میں ہر فرد، کام کرنے والا (ورکر) ہوتا ہے۔ وہ کام کرتا ہے اور معاشرہ اس کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتا ہے۔ جہاں تک طبعی زندگی کی ضروریات کا تعلق ہے، یہ قریب قریب ہر انسان کی یکساں ہوتی ہیں۔ وہ کونسا قانونِ فطرت ہے جس کی رُو سے کہا جائے گا کہ مل کے مالک کے بچے کے لئے ناشتہ میں دودھ، انڈے، مکھن، توش، پھل ضروری ہیں اور مزدور کے بچے کے لئے سوکھی، باسی روٹی کا ٹکڑا کافی۔ خدا نے تو ان دونوں بچوں کا نظامِ پرورش ایک جیسا بنایا ہے۔ یہ تفریق رزق کی غلط تقسیم کی پیدا کردہ ہے، جس کا جواز اجرت کے نظریہ کی شکل میں پیش کردیا جاتا ہے۔

کارل مارکس کو بھی اس کا احساس ہوگیا تھا کہ صحیح معاشی نظام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ اجرت کا تصور ہے اس لئے اس نے کہا تھا کہ صحیح نظام ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق کام اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ کے اصول پر قائم ہوسکے گا۔ لیکن جب اس سے کہا گیا کہ آپ اس نظام کو عملاً نافذ کرنے کا طریق کیوں نہیں بتاتے یا رائج نہیں کرتے، تو اس نے کہا کہ مجھے وہ بنیاد نہیں ملتی جس پر اس نظام کی عمارت استوار ہوسکے۔ اس لئے میں سردست اسے

معرض التوا میں رکھتا ہوں۔ شاید ''زمانے کے تقاضے'' انسان کو اُس مقام تک لے آئیں۔

یہاں پر ایک اور اہم نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ کارل مارکس نے بات تو سمجھ لی تھی لیکن اسے اس کی اساس نہیں ملتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام ''بات سمجھ لینے'' سے قائم نہیں ہو سکے گا۔ جس نظام کو محض قانون کے زور پر قائم ہونا ہو اس کے لئے ''سمجھ لینا'' کافی ہوتا ہے۔ لیکن جس نظام کا سرچشمہ ''دل کی گہرائیوں'' سے پھوٹتا ہو اسے سمجھ لینے کے بعد ایمان کی حیثیت سے قبول کرنا اولین شرط ہوگا۔ یہ وجہ ہے کہ جو قرآن کا نظام اس جماعت (کے ہاتھوں ہی نہیں بلکہ اس جماعت) کے اندر قائم ہوتا ہے، جس کے افراد حیاتِ آخرت کو ایمان کا درجہ دے چکے ہوں -- ''ایمان'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کا کوئی عمل، اقدارِ خداوندی کے خلاف نہ ہو۔ اس قسم کے افراد کو قرآنِ کریم نے مومنینؑ اور ان پر مشتمل جماعت کو اُمت مسلمہ کہہ کر پکارا ہے۔

لہٰذا سوال اتنا ہی نہیں کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے! یہ طے ہو جانے اور سمجھ میں آجانے کے بعد بھی، اصلی سوال یہ ہوگا کہ کیا وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کے ہاتھوں اور جن کے اندر، یہ نظام عملاً متشکل ہوگا۔ یعنی وہ لوگ جن کا خدا کے قانونِ مکافات (حیاتِ آخرت) پر یقینِ محکم ہو!

❁❁❁❁

کراچی کے احباب کے لیے ضروری اطلاع

اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتا ہے

محمد اقبال
48 سی، 21 کمرشل اسٹریٹ، میزانین فلور، فیز 2، ایکسٹینشن ڈی ایچ اے، کراچی رابطہ نمبر: 021-35395702, 0300-2275702

آصف جلیل
نالج اینڈ ویزڈم سنٹر، سلمان ٹاورز، آفس نمبر A-45، بالمقابل نادرا آفس، ملیر سٹی، کراچی رابطہ نمبر: 021-35421511,0333-2121992

خصوصی اپیل

(بے مثال تفسیرِ قرآن کی نشر و اشاعت کے لئے تعاون کی درخواست)

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ نے ساری عُمر قرآن کریم کی تحقیق، تعلیم اور ترویج کرنے میں بسر کی۔ اُنہوں نے خالص قرآن کی مدد سے عصرِ حاضر کے علمی، تحقیقی، سائنسی اور تنقیدی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے قرآن کے اصلی پیغام الحق کو ہم تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پینتیس سال کے لگ بھگ ہفتے کے ہر جمعہ/ اتوار کو باقاعدگی سے درسِ قرآن دیا کرتے تھے۔ اُن کے دروس آڈیو/ وڈیو میں منتقل کئے جاتے تھے جن میں پورے قرآن کا بڑی تفصیل سے لگ بھگ ایک ہزار گھنٹے پر محیط جائزہ لیا گیا ہے۔ بعد میں انہی ٹیپ کی مدد سے اِن دروس کو ٹائپ کر کے مطالب القرآن فی دروس الفرقان کے نام سے کتابی شکل میں 41 ضخیم جلدوں میں شائع کر دیا گیا ہے۔ **ادارہ طلوع اسلام** نے اِسے تبلیغ کا فریضہ خُداوندی سمجھتے ہوئے نبھایا ہے اور احباب سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اِن کُتب کو ادارہ سے خرید کر زیادہ سے زیادہ لوگوں اور اداروں تک اپنا تبلیغی فرض سمجھتے ہوئے پہنچائیں۔ اِس عمل میں اگر آپ ادارہ کو مطلوبہ افراد کی فہرست فراہم کر دیں گے تو وہ اس تفسیر قرآنی کا ایک سیٹ آپ کی جانب سے آپ کے دئے ہوئے پتہ پر بھجوا دے گا۔ تعلیمی اداروں میں خصوصی طور پر تعلیمی درسگاہیں اور پبلک لائبریریاں زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ ادارہ کے پاس اِن کی فہرست موجود ہے جو ضرورت پڑنے پر مہیا کی جا سکتی ہے۔ آپ کو اِس امر سے یہ بھی تسلی رہے گی کہ آپ نے نہ صِرف اپنی طرف سے تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے ہوئے اللہ کے کام میں رفاقت کی سعادت حاصل کی ہے بلکہ ادارے کی بھی اِس فریضہ کی ادائیگی کو جاری رکھنے میں بھرپور مدد فراہم کی ہے۔

(41) اکتالیس ضخیم جلدوں پر مشتمل اِس منفرد تفسیر کا ہدیہ مبلغ 19000 روپے ہے۔ اگر آپ یہ تفسیر کسی لائبریری یا دوست کو گفٹ کرنا چاہتے ہیں تو ادارہ کو صرف -/15000 روپے ارسال کر دیجئے۔ ادارہ آپ کی جانب سے یہ تفسیر قرآن مطلوبہ لائبریری یا فرد تک بھجوا دے گا۔ عطیات کے لئے ادارہ کا اکاؤنٹ نمبر درج ذیل ہے۔ ہماری دلی تمنا یہ ہے کہ دروس القرآن کی یہ اکتالیس (41) ضخیم جلدوں پر مشتمل قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر پاکستان کی ہر یونیورسٹی کی لائبریری کی زینت بنے تا کہ وہاں کے تمام طالب علم قرآنِ کریم کی اس بے مثال تفسیر سے استفادہ کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہماری معصوم آرزو کو شرف قبولیت بخش دے اور صاحب حیثیت لوگ اس سلسلے میں آگے بڑھیں اور اس کام میں ہماری مدد کریں تا کہ تبلیغ دین کے اس فریضہ سے ہم سب عہدہ برا ہو سکیں۔ شکریہ

Bank Account Idara Tolu-e-Islam

National Bank of Pakistan, Main Market Branch Gulbarg Lahore

For Domestic Transactions
Bank A/C No: 0465004073177672

For International Transactions
IBAN:PK36NBPA0465004073177672
Swift Code: NBPAPKKAA02L

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت ادارہ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

مطالب القرآن فی دروس الفرقان

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ الحج	(22)	380	350/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورۃ النور	(24)	264	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-
سورہ آل عمران (اول)	(3)	472	500/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ آل عمران (دوم)	(3)	480	500/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ المائدہ	(5)	450	500/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ الانعام	(6)	600	600/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ الاعراف (اوّل)	(7)	480	500/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورۃ الاعراف (دوم)	(7)	400	500/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورۃ انفال	(8)	210	250/-	سورہ الصفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورہ توبہ	(9)	530	550/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورۂ یونس	(10)	360	400/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ ھود	(11)	400	400/-	سورۂ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ یوسف	(12)	288	300/-	سورۂ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 56-57)	384	400/-
سورہ رعد، ابراہیم، الحجر	(13-15)	500	500/-	28 واں پارہ (مکمل) مجادلہ، حشر، ممتحنہ، صف، جمعہ، منافقون، تغابن، طلاق، تحریم	(58-59-60-61-62-63-64-65-66)	300	300/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-				
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	400/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	500/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ 2، لاہور 54660، (پاکستان) فون نمبر: +92 42 3571 4546 +92 321 4460 787

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

غلام احمد پرویزؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذشتہ سے پیوستہ

یہ تھا نظامِ مصطفیٰ ﷺ !

عیدِ میلاد النبی ﷺ 1979ء کی تقریبِ سعید پر پرویزؔ صاحب کا خطاب

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

عدل:

بات میں یہ کر رہا تھا کہ نظامِ خداوندی کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں محکومیت صرف قوانین خداوندی کی اختیار کی جاتی ہے۔ کسی انسان یا انسانوں کے گروہ کی نہیں۔ لیکن یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ قانون خواہ کیسا ہی بلند و بالا ہو، اس کے انسانیت ساز نتائج اسی صورت میں برآمد ہو سکتے ہیں کہ اس قانون کو نافذ کرنے والے عدل کی میزان کو تھامے ہوئے ہیں۔ عدل کسے کہتے ہیں اسے قرآنِ کریم نے ان چار الفاظ میں منضبط کر کے سمجھا دیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک عظیم رسول، حضرت داؤدؑ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى (38:26) ''اے داؤد! ہم نے تمہیں ملک میں صاحبِ اقتدار اس لئے بنایا ہے کہ تم لوگوں کے امور کے فیصلے الحق (وحی خداوندی) کے مطابق کرو، اور ایسا کرنے میں اپنے جذبات، میلانات، خواہشات کا اتباع نہ کرنے لگ جاؤ۔'' لہٰذا عدل سے مراد یہ ہے کہ صاحبِ اقتدار، قانون کے نفاذ میں اپنے رجحانات اور جذبات کو یکسر الگ رکھے اور انسان اور انسان میں کسی قسم کی تفریق اور تمیز نہ کرے۔ یہ ہے وہ بنیادی خصوصیت جس سے یہ نظام، عدیم النظیر قرار پاتا ہے۔ جب اسلامی نظام قائم ہوا تھا تو قانون نافذ کرنے والے، اپنے جذبات اور میلانات کو کس طرح الگ رکھتے تھے، کتب سیر و آثار میں اس کی مثالیں تو بے شمار ہیں، لیکن قلتِ وقت کی وجہ سے میں اس وقت ان میں سے صرف چند ایک پیش کر سکوں گا۔

یہودی کی لڑائی:

سب سے پہلے سیرت طیبہ کے ایک واقعہ کو لیجئے جو ہے تو مختصر سا لیکن اس میں قانون اور ذاتی جذبات کو نکھار کر الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی انصاف پروری اور معدلت گستری اس قدر مسلم اور پُر اعتماد تھی کہ یہودی بھی، باوجود اس قدر مخالف ہونے کے، اپنے اہم مقدمات حضور ﷺ کی عدالت میں لایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے قتل کے ایک مجرم کو موت کی سزا کا حکم سنایا۔ جلاد اس کے سر پر تلوار لئے کھڑا آخری اشارے کا منتظر تھا کہ اتنے میں اس مجرم کی ایک خوردسالہ بچی

روتی، چیختی، چلاتی دوڑی دوڑی آئی اور حضورؐ کی ٹانگوں کے ساتھ لپٹ کر فریاد کی کہ مجھے یتیم ہونے سے بچا لیجئے۔ اس کی آہ وفغاں اس قدر رِقت آمیز تھی کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ صحابہؓ نے سمجھا کہ آپ سزائے موت کا حکم واپس لے لیں گے۔ لیکن آپ نے بچی کے سر پر محبت بھرا ہاتھ پھیرا اور جلاد کو قتل کا اشارہ دے دیا۔ بعد میں صحابہؓ نے پوچھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اس کے باوجود آپؐ نے قتل کا حکم دے دیا۔ یہ متضاد کیفیت کیوں تھی؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے جو فقرہ ارشاد فرمایا وہ تاریخ میں کلاسک کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ: ''اس وقت محمد ﷺ ابن عبداللہ کی آنکھ روتی تھی اور محمد رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ خدا کا قانون نافذ کر رہا تھا۔'' محمد ﷺ ابن عبداللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کا یہی وہ نازک فرق ہے جو قانون کی بالادستی کا سنگِ بنیاد قرار پاتا ہے۔

بیٹی کا ہار:

اور یہ فرق حضور ﷺ کی ساری زندگی میں درخشاں ستاروں کی طرح جگ مگ، جگ مگ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ جنگِ بدر کے قیدیوں میں حضور ﷺ کے داماد ابوالعاصؓ بھی تھے (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) فیصلے کے مطابق ان قیدیوں کا زرِفدیہ طلب کیا گیا تو حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے ایک ہار بطور فدیہ بھیجا۔ ہار سامنے آیا تو گذشتہ تیس سال کے واقعات ایک ایک کر کے آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے آ گئے۔ یہ وہ ہار تھا جسے حضور ﷺ نے اپنے نکاح کے وقت حضرت خدیجہؓ کو تحفۃً دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے یہی ہار حضرت زینبؓ کی شادی پر الوداعی تحفہ کے طور پر بیٹی کے زیبِ گلو کیا تھا۔ کانچ کے اس ہار کی قیمت تو کیا ہو سکتی تھی لیکن محبت اور رفاقت کے مقدس جذبات کی ایک دنیا اس میں جھلمل جھلمل کر رہی تھی۔ آپ ﷺ فوج کے کمانڈر انچیف بھی تھے اور سربراہِ مملکت بھی۔ آپ ﷺ بلا تائل اس ہار کو ڈھیر سے الگ کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا کرنے سے اصولِ عدل پر زد پڑتی تھی۔ آپ نے مجلسِ مشاورت کو اس ہار کی تاریخ سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو اسے بیٹی کو واپس کر دیا جائے۔ ان کی تصویب سے ہار واپس کیا گیا۔ بات تو چھوٹی سی ہے لیکن جو اصول اس میں کارفرما ہے وہ قیامت تک ہر صاحبِ اقتدار کے لئے اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ:

اور اس کے بعد اس واقعہ کو سامنے لائیے جو اس موضوع پر گویا حرفِ آخر ہے اور جسے اس کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے اپنے اوراق میں محفوظ کر رکھا ہے۔ وہ واقعہ متعلق ہے حضرت زیدؓ سے۔ حضرت زیدؓ ایک غلام تھے، جسے حضورؐ نے آزادی عطا فرمائی تھی۔ ایک غلام کا آزاد ہو جانا ہی کچھ م باعثِ شرف نہ تھا کہ اس کے بعد آپ نے اسے منہ بولا بیٹا بنا لیا [1] اور اس کی پرورش خود اپنے گھر میں کی۔ اصولِ مساوات اور تکریمِ آدمیت کی عملی مثال پیش کرنے کی غرض سے آپ نے اس کی شادی بنو ہاشم کی ممتاز ترین خاتون، اپنی پھوپھی زاد بہن، حضرت زینبؓ سے کر دی۔ سوءِ اتفاق کہ وہ شادی کامیاب نہ ہو سکی

[1] قرآنِ مجید نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا۔

اور حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرلیا۔ آپ غور کیجئے کہ حضرت زیدؓ کا یہ ارادہ آپ پر کس قدر شاق گذرا ہوگا۔ بالخصوص اس لئے بھی کہ حسب ونسب کو طرۂ امتیاز سمجھنے والے قریش اس شادی پر پہلے ہی معترض تھے۔ اس کی ناکامی پر انہیں یہ کہنے کا موقعہ مل جاتا کہ ___ کیوں؟ ہم نہ کہتے تھے! ___ آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ سے کہا کہ:

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ (33:37) اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔

غور فرمایئے کہ یہ کہنے والا کون ہے اور کہا کس سے جارہا ہے۔ کہنے والا خدا کا رسول ﷺ ہے۔ جس پر ایمان لانے سے حضرت زیدؓ مسلمان ہوئے ہیں۔ کہنے والا سربراہِ مملکت بھی ہے۔ کہنے والا محسن ہے جس نے حضرت زیدؓ کو غلامی سے آزاد کیا۔ کہنے والا بمنزلہ باپ کے ہے اور پھر کہنے والا اس معزز خاتونؓ کا برادرِ بزرگ بھی ہے۔

کہئے کہ اس کے بعد حضرت زیدؓ کو اس کی جرأت ہوسکتی تھی کہ وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کی خلاف ورزی کرے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کیا؟ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ سوچئے کہ آج اگر کسی پیر کا مرید۔ کسی افسر کا ماتحت، کسی حاکم کا محکوم، کسی محسن کا ممنون احسان، کسی باپ کا بیٹا، کسی بڑے کا چھوٹا ایسا کرتا تو کیا قیامت نہ برپا ہوجاتی! لیکن وہاں کیا ہوا۔ نہ کہنے والے کے ماتھے پر کوئی شکن آیا نہ زیدؓ پر کوئی عتاب نازل ہوا۔ نہ باہمی تعلقات میں کوئی فرق آیا۔ اس لئے کہ وہاں تو سکھانا یہ مطلوب تھا کہ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے انسان کو اپنے ذاتی فیصلوں کا پابند بنائے خواہ جذبات کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ حضور ﷺ کا یہ حکم نہ بحیثیت رسول ﷺ تھا، اور نہ بمنصبِ سربراہِ مملکت، یہ ایک ذاتی مشورہ تھا۔ اور بتانا یہ مقصود تھا کہ مشورہ دینے والے کی پوزیشن کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے نہ ماننے سے کسی قسم کا عتاب اور سرزنش تو ایک طرف، دل میں ذرا سی کدورت اور رنجش بھی نہیں آنی چاہئے۔ قرآنِ کریم نے قانون، احکام اور مشورہ کے اسی فرق کو نمایاں کرنے لئے اس واقعہ کو اپنے اوراق میں محفوظ کیا ہے تاکہ یہ آنے والوں کے لئے دلیلِ راہ بنے ___ لیکن آپ غور کیجئے کہ آج غیر تو غیر، خود حضور ﷺ کے نام لیواؤں میں سے کتنے ہیں جو اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

اور یہ تو پھر بھی حضور ﷺ کے ایک عزیز کا واقعہ ہے۔ مدینہ میں برہرہؔ نامی ایک لونڈی تھی جو آزادی حاصل ہونے کی بنا پر اپنے سابقہ شوہر حضرت مغیثؓ، سے الگ ہوگئی تھی۔ حضرت مغیثؓ کی درخواست پر حضور ﷺ نے برہرہؔ سے کہا کہ وہ اپنے فیصلے کو واپس لے لے۔ آپ سوچئے کہ اس لونڈی سے یہ کہنے والا کون تھا؟ لیکن وہاں تو نظام ایسا قائم کردیا گیا تھا جو حریت اور آزادی کی فضا سے معمور تھا۔ برہرہؔ نے عرض کیا کہ کیا آپ ﷺ مجھے اس کا حکم دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسے معاملات میں، مَیں حکم تو نہیں دے سکتا۔ یہ محض ایک مشورہ ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ معاف فرمایئے۔ مَیں اس مشورہ کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ میں اپنے معاملات کو بہتر سمجھتی ہوں ___ اور حضور ﷺ ایک تبسمِ عاجز نواز کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

جہاں تک خود اپنی ذات کا تعلق ہے حضور ﷺ نے مرض الموت کے دوران اعلان فرمایا:

لوگو! اگر مَیں (ﷺ) نے کسی کی پیٹھ پر کوڑا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ مجھ سے اپنا انتقام لے لے۔

اگر میری زبان سے کسی شخص کے متعلق کوئی ناروا بات نکل گئی ہو تو وہ اسی طریق سے مجھ سے اپنا انتقام لے لے۔ اگر میرے ذمے کسی کا کوئی قرض ہو تو وہ مجھ سے وصول کر لے۔ ایسے لوگوں کی طرف سے میرے دل میں کسی قسم کا بغض یا کدورت پیدا نہیں ہوگی۔

اس کے جواب میں صرف ایک شخص نے کھڑے ہو کر تین درہم کا مطالبہ کیا جو آپ ﷺ نے ادا فرما دیئے۔

خطباتِ خلافت:

حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ تو اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے لیکن قلتِ وقت کے احساس سے مجھے آگے بڑھ جانا چاہئے اور اس فردوس بداماں داستان کے اگلے باب کی ابتداء حضرت صدیقِ اکبرؓ کے اس خطبہ سے کرنی چاہئے جسے آپ نے منصبِ خلافت پر سرفراز ہونے کے بعد ارشاد فرمایا۔ آپؓ نے کہا:

اے لوگو! میں تمہارا سربراہ بنایا گیا ہوں لیکن میں تم سے بہتر نہیں۔ اگر میں صحیح کام کروں تو اس میں میری مدد کرو۔ اگر غلط قدم اٹھاؤں تو مجھے ٹوکو۔ سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت۔ تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی تر ہے جب تک میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور تم میں سے قوی تر آدمی میرے نزدیک کمزور تر ہے جب تک میں اس سے وہ حق نہ لے لوں جو اس کے ذمہ ہے ____ (الخ)

حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے خطبہ خلافت کا آغاز اس طرح فرمایا:

لوگو! مَیں (رضی اللہ عنہ) تم میں سے ایک انسان ہوں۔ اگر مجھے خلیفۂ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی گوارہ ہو سکتی تو مَیں ہرگز یہ ذمہ داری قبول نہ کرتا۔ میں خدا سے تین دعائیں مانگتا ہوں۔ تم آمین کہو۔

انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور نہایت عجز و الحاح سے کہا:

بارِ الٰہا! مَیں سخت ہوں، مجھے حق کی موافقت، اپنی رضا طلبی اور احساسِ آخرت کے لئے نرم کر دے۔

یہ کہہ کر آپؓ خاموش ہو گئے۔ سامعین نے امین کہا تو آپؓ نے بدرگاہِ رب العزت عرض کیا:

یا اللہ! میں کمزور ہوں۔ مجھے قوی بنا دے تا کہ میں دین کے دشمنوں، منافقوں اور فحش کاروں کا مقابلہ کر سکوں۔ لیکن ایسا قوی نہیں کہ میں ان کے حق میں ظالم بن جاؤں اور ان پر دست درازی کرنے لگ جاؤں۔

آپؓ پھر خاموش ہو گئے۔ مجمع پر سناٹا چھا رہا تھا۔ لوگوں نے امین کہا تو آپؓ نے تیسری دعا مانگی کہ:

الٰہا العالمین! میں بخیل ہوں، مجھے امورِ خیر کے لئے سخی بنا دے۔ لیکن اس سخاوت میں ریاکاری کا شائبہ نہ ہو۔

مجمع پر سکوت چھا رہا تھا۔ تھوڑے سے توقف کے بعد آپؓ نے فرمایا:

ایھا الناس! اللہ نے میرے دو رفقاء کے بعد مجھے تم میں باقی رکھا ہے تا کہ وہ میرے ذریعے تمہاری اور

تمہارے ذریعے میری آزمائش کرے۔ میرے سامنے تمہارا جو معاملہ آئے گا میں اسے کسی دوسرے پر نہیں چھوڑوں گا بلکہ خود سرانجام دوں گا۔ البتہ جو معاملہ ایسا ہوگا جس میں مجھے دوسروں کی معاونت کی ضرورت ہوگی تو اس کے لئے میں حتیٰ الامکان ایسے لوگوں کو متعین کروں گا جن کی صداقت اور امانت میں شبہ نہ ہو۔ اگر وہ لوگ صحیح راستے پر چلیں گے تو مَیں ان کے ساتھ نیک سلوک کروں گا۔ اگر غلط رویہ اختیار کریں گے تو انہیں عبرت ناک سزا دوں گا۔

اس کے بعد آپ نے سامعین سے کہا:

قرآن پڑھا کرو۔ اسی سے تمہاری قدر و منزلت ہوگی اور اسی کے مطابق عمل کرو تا کہ تم عاملِ قرآن ہو جاؤ۔ اپنے آپ کا محاسبہ کرو اس سے پیشتر کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ قیامت کے دن کے لیے اپنے آپ کو تیار کرو جب تم خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہے گی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے لئے وہ دعا مانگی جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اس میں آپ نے کہا کہ:

بارِالٰہا! مجھے تفکر و تدبرِ قرآنی عطا فرما تا کہ میں جو کچھ قرآن سے پڑھوں اسے اچھی طرح سمجھ سکوں اور اس کے نوادرات پر غور کر سکوں۔ تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں جب تک زندہ رہوں تیری کتاب پر عمل پیرا رہوں۔

ایک دوسرے خطبے میں جو اس سے زیادہ مفصل تھا آپ نے کہا:

اے لوگو! اب جبکہ تمہارے معاملات کی ذمہ داری میرے کندھوں پر رکھ دی گئی ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری سختی نرمی میں بدل گئی ہے۔ لیکن ان لوگوں کے لئے بدستور قائم ہے جو ظلم اور زیادتی سے کام لیں۔ رہے وہ لوگ جو امن و سلامتی سے رہتے اور جرأتِ ایمانی رکھتے ہیں تو ان کے لئے میں سب سے زیادہ نرم ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کرے گا تو میں اسے اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا۔ جب تک اس کا ایک رخسار زمین پر ٹکا کر دوسرے رخسار پر اپنا پاؤں رکھ دوں تا آنکہ وہ حق کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔ لیکن اس تمام سختی کے باوجود میں اہلِ حق کے لئے خود اپنے رخسار زمین پر رکھ دوں گا۔ لوگو! مجھ پر تمہارے کچھ حقوق ہیں جنہیں میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں تا کہ تم اپنے یہ حقوق مجھ سے حاصل کر لو۔

(1) تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ جب تم میں سے کوئی میرے پاس آئے تو مجھ سے اپنا حق لے کر جائے۔

(2) تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ میں تمہارے وظائف میں اضافہ کروں۔ (تا کہ تم خوشحالی کی زندگی بسر کر سکو) اور تمہاری سرحدوں کو مستحکم کروں (تا کہ تم بیرونی خطرات سے محفوظ ہو جاؤ)۔

(3) تمہارا مجھ پر یہ حق بھی ہے کہ میں تمہیں خواہ مخواہ خطرات میں نہ ڈالوں۔ تمہیں بلاضرورت گھر واپس آنے سے نہ روکوں۔ اور جب تم کسی جنگ پر جاؤ تو باپ کی طرح تمہارے اہل و عیال کی نگہ پرداخت کروں۔

ان کے مقابلے میں میرا تم پر صرف ایک حق ہے اور وہ یہ کہ جو کچھ اللہ تمہیں عطا کرے اس میں سے اپنے لئے صرف اتنا لے لوں جو میری اور میرے بال بچوں کی ضروریات پورا کر سکے۔

تمہاری جو ذمہ داریاں اللہ نے میرے سپرد کی ہیں ان کے متعلق مجھے نصیحت کرتے رہو۔ میں تم سے یہ کچھ کہہ رہا ہوں اور اپنے اور تمہارے لئے اللہ سے حفاظت طلب کر رہا ہوں۔ میں یوم الحساب کا منتظر ہوں جب مجھے یہ بتانا ہوگا کہ میں نے تم سے کیا لیا اور اُسے کیسے خرچ کیا۔

قادسیہ کی عظیم فتح کے بعد آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

واللہ! میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا غلام بنالوں۔ میں تو خود خدا کا غلام ہوں۔ اس نے میرے سپرد ایک امانت کر دی ہے۔ اگر میں اِسے اس طرح استعمال کروں کہ تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں اور تمہیں گھر بیٹھے سیراب کر دوں تو میں سعادت مند ہوں اور اگر میں اس امانت کو اٹھا کر اپنے گھر لے جاؤں تو میں بہت بدبخت ہوں گا کہ چند دن عارضی طور پر خوش ہولوں اور پھر ابدی غم والم میرے حصے میں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس خیانت کے جرم سے مجھے کبھی معافی نہیں مل سکے گی اور نہ مَیں واپس بھیجا جاؤں گا کہ تمہیں آ کر راضی کرلوں۔

خلیفہ یا بادشاہ:

یہ تھے نظامِ خداوندی قائم کرنے والوں کے عزائم ومقاصد اور یہ تھا انہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور یہی احساس تھا جس کی بنا پر آپ نے ایک دن کہا کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟ کیونکہ اگر بادشاہ ہوں تو اس سے زیادہ بدبختی اور کیا ہوسکتی ہے۔ اس پر مجمع میں سے ایک شخص برجستہ بولا کہ ''خلافت اور شہنشاہیت میں بڑا فرق ہے۔ خلیفہ عوام کے جملہ حقوق کا محافظ ہوتا ہے۔ وہ ہر انسان کا حق، حقدار کو دیتا ہے۔ وہ نہ ناجائز طور پر کسی سے کچھ لیتا ہے نہ ناجائز کچھ خرچ کرتا ہے۔ اس کے برعکس بادشاہ زبردستی کرتا ہے۔ ایک سے چھین کر دوسرے کو دیتا ہے۔ للہ الحمد کہ آپ خلیفہ ہیں، بادشاہ نہیں ہیں۔ اس پر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ بدرگاہِ احکم الحاکمین سجدہ ریز ہو گئے۔

ان حضرات کے اس قسم کے عہد وپیمان کے بعد اب میں چند ایک ایسی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں جن سے عدل کا مفہوم نمایاں طور پر سامنے آجائے گا۔ عدل کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ قانون کے اطلاق میں کسی شخص کی ذاتی حیثیت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے۔

جبلہ بن ایہم کا واقعہ:

اس زمانے میں عرب کی شمالی سرحدوں پر قائم عربی قبائل آباد تھے جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ ان قبائل کے سردار قیصر کی طرف سے اپنے اپنے علاقے کے حاکم تھے۔ وہ وہاں کے بادشاہ متصور ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک قبیلہ کا سردار جبلہ بن ایہم اپنے قبیلہ کے پانچ سو افراد کے ساتھ مسلمان ہو گیا اور مدینہ آ گیا۔ وہاں اُسے بڑی عزت اور تکریم کے ساتھ رکھا گیا۔ حج کے موقع پر وہ حضرت عمرؓ کی معیت میں مکہ آیا۔ طواف کے دوران اس کی چادر کا پلو ایک بدو کے پاؤں تلے آ گیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر اس بدو کی ناک پر مکہ دے مارا۔ بدو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی اور جبلہ نے اس کا اقرار کیا۔ اس پر آپ نے اس سے کہا کہ تم اس بدو کو منا کر صلح کرلو، ورنہ تمہیں اس جرم کی سزا دی جائے گی۔ اس نے برافروختہ ہو کر کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، مَیں بادشاہ ہوں اور وہ معمولی بدو ہے۔ مَیں اس سے کیسے معافی مانگ سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

’’بادشاہ اور بدو میں فرق تمہارے اسلام لانے سے پہلے کی بات ہے۔ اسلام میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوسکتا۔ یہاں سب برابر ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ امیر المومنینؓ! میں تو سمجھا تھا کہ اسلام لانے کے بعد مجھے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ عزت دی جائے گی لیکن یہاں معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام میں عزت کا معیار تقویٰ ہے اور قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ تم یا تو اس بدو کو راضی کرو ورنہ سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ مجھے ایک رات کی مہلت دی جائے۔ اسے مہلت دے دی گئی۔

اس واقعہ کا خاصہ چرچا ہو گیا۔ بعض لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ اس معاملہ میں اس قدر سختی نہ برتیں۔ یہ شخص بڑا صاحبِ اثر ہے۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ اگر کسی شخص کی وجاہت کے اثر سے قانون کا پلڑا اس کے حق میں جھک جائے، تو پھر خدا کی بادشاہت اور قیصر و کسریٰ کی ملوکیت میں فرق کیا ہوا۔ چنانچہ آپ ذرا نہ جھکے اور جبلہؔ اپنے ساتھیوں سمیت واپس چلا گیا اور پھر سے عیسائی ہو گیا۔

اپنے خلاف فیصلہ:

یہ تو دوسرے صاحبِ اثر و وجاہت کا معاملہ تھا۔ خود سربراہِ مملکت کی بات سُن لیجئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر گھوڑا خریدا اور امتحاناً اس پر سوار ہوئے تو گھوڑا چوٹ کھا کر داغی ہو گیا۔ آپ نے اسے واپس کرنا چاہا۔ مالک نے انکار کر دیا۔ آپ نے کہا کہ ’’اس معاملہ میں تصفیہ کے لئے کسی کو ثالث مقرر کر لو۔‘‘ اس نے کہا کہ ’’میں شریح کو ثالث ٹھہراتا ہوں۔‘‘ انہوں نے ماجرا سنا تو کہا کہ ’’امیر المومنینؓ! یا تو گھوڑا خرید یئے اور یا جیسا وہ تھا ویسا اسے واپس کیجئے۔‘‘ اس فیصلہ پر آپ بہت خوش ہوئے اور شریح سے کہا کہ ’’آپ منصبِ قضا کے لئے نہایت موزوں ہیں۔‘‘ ـــــ یہی ہیں کوفہ کے مشہور قاضی شریح جنہوں نے ساٹھ برس تک اس فریضہ کو بکمال و حسن و خوبی سرانجام دیا تھا۔

اس سے بھی آگے بڑھئے آپ ایک مقدمہ میں مدعا علیہ کی حیثیت سے حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں پیش ہوئے۔ انہوں نے آپ کو تعظیماً بٹھانا چاہا تو آپ نے ان سے کہا کہ ’’زید تم سے انصاف کی اُمید کس طرح کی جاسکتی ہے جب تم نے ابتداء ہی میں فریقین میں امتیاز کرنا شروع کر دیا ہے۔‘‘ یہ کہہ کر آپ مدعی کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ کو دعویٰ سے انکار تھا۔ مدعی نے آپ سے حلف لینے کو کہا۔ اس پر حضرت زیدؓ نے مدعی سے کہا کہ امیر المومنین سے قسم لینے کی ضرورت نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ بڑے ناراض ہوئے اور کہا کہ زیدؓ! تم منصبِ قضا کے اہل نہیں۔ جو قاضی کسی فریقِ مقدمہ کی پوزیشن کا خیال رکھتا ہو وہ انصاف نہیں کر سکتا۔

لیکن اسی قسم کا ایک سہو ایک دفعہ خود حضرت عمرؓ سے بھی ہو گیا تھا۔ ایک یہودی نے حضرت علیؓ کے خلاف آپ کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت علیؓ نسبتاً ممتاز جگہ پر بیٹھ گئے تو آپ نے کہا۔ ’’ابوالحسنؓ! اٹھو اور اپنے مدعی کے مقابل جا کر بیٹھ جاؤ۔‘‘ حضرت علیؓ وہاں جا کر بیٹھ گئے لیکن آپ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔ مقدمہ ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ’’فریقِ مقابل کے برابر بیٹھنا آپ کو ناگوار گذرا تھا؟‘‘ ’’عمرؓ! مجھے یہ قطعاً ناگوار نہیں گذرا۔ ناگوار یہ گذرا کہ تم نے مجھے تو میری کنیت (ابوالحسن) سے پکارا اور فریقِ مقابل کو اس کے نام سے۔ اس سے تم نے جو

عدمِ مساوات کا ثبوت دیا، مجھے وہ ناگوار گذرا تھا۔ (واضح رہے کہ عربوں کے ہاں کسی کو نام کے بجائے کنیت سے پکارنا اس کی تعظیم پر دلالت کرتا تھا۔) اور ان حضرات کو بارگاہِ عدل میں اتنا سا امتیاز بھی گوارا نہیں تھا۔

اپنا بیٹا:

اور آگے بڑھئے۔ آپ کے صاحبزادہ عبدالرحمان مصر میں تھے۔ ان سے کوئی لغزش سرزد ہوگئی تو وہ وہاں کے گورنر حضرت عمرؓ بن عاص کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے قانون کے مطابق اس کی سزا دیجئے۔ انہوں نے کوڑوں سے اس کی سزا تو دی لیکن کسی پبلک مقام کے بجائے اپنے گھر کے اندر سزا دی۔ حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت عمرؓ بن عاص کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا:

> ابن العاصؓ! تمہاری جرأت اور بدعہدی پر مجھے بے حد تعجب ہوا۔ میں تمہیں معزول کر کے چھوڑوں گا۔ تم نے عبدالرحمان کو اپنے گھر کے اندر سزا دی۔ حالانکہ تم جانتے تھے کہ یہ بات میری طبیعت کے خلاف ہے۔ عبدالرحمان تمہاری رعایا کا ایک فرد تھا۔ تمہیں اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے تھا جو دوسرے مجرموں کے ساتھ کرتے ہو۔ لیکن تم نے کہا کہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے اس لئے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا چاہئے حالانکہ تمہیں میرے نزدیک کسی شخص سے حق لینے میں کسی قسم کی رعایت اور نرمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس وقت تمہیں یہ خط ملے عبدالرحمان کو ایک اونی چغہ پہناؤ اور پالان پر سوار کر کے مدینہ روانہ کردو تا کہ وہ اپنے جرم کی قانون کے مطابق سزا پائے۔
>
> اور امیر المومنین کے بیٹے کو قانون کے مطابق سزا دی گئی۔

گورنر کا بیٹا:

اب آگے چلئے۔ اسی گورنر کے بیٹے نے ایک قبطی کو (جو وہاں ذمیوں ـــــ آج کل کی اصطلاح میں غیر مسلم اقلیتوں کی حیثیت سے رہتے تھے) کسی بات پر کوڑوں سے پیٹا۔ وہ اُسے کوڑوں سے پیٹتا جاتا تھا اور جوانی کے جوش میں کہتا جاتا تھا کہ دیکھ! بڑوں کی اولاد ایسی ہوتی ہے۔ قبطی نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو آپ نے باپ بیٹے دونوں کو بلا بھیجا۔ اعترافِ جرم پر آپ نے اس قبطی سے کہا کہ ''جس طرح اس نے تمہیں کوڑوں سے پیٹا تھا۔ اسی طرح تم اس کے کوڑے لگاؤ۔'' وہ اسے کوڑے مارتا جاتا تھا اور حضرت عمرؓ کہتے جاتے تھے کہ ''مار بڑوں کی اولاد کو اور مار'' وہ اسے پیٹ چکا اور کوڑا حضرت عمرؓ کو واپس کرنے لگا تو آپ نے اس سے کہا کہ دو ایک کوڑے اس کے باپ (حضرت عمرؓ و بن عاص) کے بھی مارو۔ کہ اگر اس نے اپنے بیٹے کی صحیح تربیت کی ہوتی تو اس کے ذہن میں یہ خناس نہ سماتا کہ وہ بڑوں کی اولاد ہے۔ قبطی نے کہا کہ جس نے مجھے مارا تھا میں اس سے بدلہ لے چکا ہوں۔ میں انہیں پیٹنا نہیں چاہتا۔ آپ نے کوڑا اس سے لے لیا اور غضب آلود نگاہوں سے حضرت عمرؓ بن عاص کی طرف دیکھا اور وہ فقرہ کہا جو تکریمِ آدمیت اور شرف انسانیت کا بنیادی منشور ہے۔ آپ نے فرمایا:

عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنانا شروع کیا۔ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا۔

''ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا'' یہ ہے قرآنِ کریم کے اس ابدی اصول کی درخشندہ تشریح جس میں کہا گیا ہے کہ: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (17:70) ہم نے ہر انسان کو اس کے انسان ہونے کی جہت سے واجب التکریم پیدا کیا ہے۔'' یہ ہے وہ بنیاد جس پر قرآنی نظام کی فلک بوس عمارت استوار ہوتی ہے۔

اقلیتوں کے حقوق:

اقلیتوں کے حقوق کی نگہداشت کی ایک مثال تو آپ نے سُن لی۔ اس کے بعد ایک مثال اور بھی سن لیجئے کہ جس کی نظیر آپ کو کہیں نہیں مل سکے گی۔ ایک دفعہ حمص کے حاکم حضرت عمرؓ بن سعد کے منہ سے ایک ذمی کے متعلق یہ الفاظ نکل گئے ''اَخزَاكَ اللہُ'' خدا تمہیں رسوا کرے'' ــــــ یہ الفاظ تو زبان سے نکل گئے لیکن اس پر انہیں اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہہ کہ استعفےٰ پیش کر دیا کہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں۔ انہیں بہتیرا سمجھایا گیا لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ وہ یہی کہتے رہے کہ جو شخص کسی انسان کی تذلیل کرتا ہے وہ کسی ذمہ دار منصب کے اہل نہیں قرار دیا جا سکتا۔

قابلِ اعتماد گواہ:

غور فرمایا آپ نے کہ نظامِ خداوندی میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک ہوتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اگلے باب کے لئے ورق الٹیں۔ عدل کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کی بصیرت کی ایک مثال بھی سُن لیجئے۔ عدالت میں صحیح فیصلہ کرنے کے لئے قابلِ اعتماد گواہ کی ضرورت لاینفک ہے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک شخص سے کہا کہ اپنی بات کی تائید کے لئے کسی ایسے آدمی کو لائے جو اعتماد کے قابل ہو۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ:

کیا: تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے ــــــ اس نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا کیا تم کبھی اس کے ہمسایہ رہے ہو ــــــ اس نے کہا نہیں۔

آپ نے پھر پوچھا کیا اس کے ساتھ تمہارا کبھی کوئی معاملہ پڑا ہے۔

جب اس نے اس پر بھی کہا کہ ''نہیں'' تو آپ نے فرمایا:

پھر تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں سر جھکاتے، سر اُٹھاتے دیکھ لیا ہوگا اور اس سے سمجھ لیا کہ وہ قابلِ اعتماد ہے۔

آپ نے غور فرمایا کہ کسی کے ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونے کے لئے کیا معیار بتایا گیا ہے؟

اور آخر میں چلتے چلتے ایک غیر محسوس سا لیکن بڑا حسین (مونالیزا) جیسا تبسم۔ آپ نے ایک شخص سے کہا کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ اس نے جواب میں کہا کہ:

ایسا نظر آتا ہے کہ آپ میرے حق میں کچھ کمی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے معاف فرمایئے۔ مجھے اپنا دوست نہ بنایئے۔ دور دور ہی رہنے دیجئے۔

(جاری ہے)

ڈاکٹر انعام الحق، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(قسط نمبر 14)

دو قومی قرآنی نظریہ پر مطالبۂ پاکستان

تخلیقی اعمال کرنے اور نہ کرنے دونوں کا ثمرہ:

بنیادی طور پر انسان غور و فکر سے اپنے ارادے پر اختیار رکھتے ہوئے جو عقل و فکر اور علم سے تدبر کرتے ہوئے اعمال کا انتخاب کرتا ہے۔ وہ اُسی کی تخلیق سے منسوب ہوتے ہیں۔ انہی اعمال کو حیوانی اعمال سے نکال کر انسانی اعمال کا درجہ دیا جاتا ہے جن کی بنا پر انسان جزا و سزا کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ اِس کے برعکس قرآن عقل و فکر سے عاری مجبوری کے عالم میں حیوانی جہنمی زندگی گزارنے والے افراد کا نقشہ یوں کھینچتا ہے کہ:

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا ۫ وَلَهُمۡ اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا ۫ وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾ (7:179)

اور لوگوں کی اکثریت کا یہ عالم ہے، چاہے وہ متمدّن شہری زندگی بسر کرنے والے (انسان) ہوں یا غیر متمدّن دیہاتوں اور جنگلوں میں رہنے والے (جنّ) ہوں، ان کی روش زندگی پکار پکار کر کہہ رہی ہوتی ہے کہ وہ اہل جہنّم میں سے ہیں۔ (ان لوگوں کی نشانیاں یہ ہوتی ہیں کہ) دل رکھنے کے باوجود اس سے سمجھنے سوچنے کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں ہوتی ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، وہ کان بھی رکھتے ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔ یہ لوگ حیوانوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ گم کردہ۔ یہی لوگ ہیں جو اپنی اخروی زندگی سے بے خبر ہیں۔

قرآن نے حیوانی جہنمی زندگی کی پہچان بتائی کہ کان ہوتے ہوئے نہیں سنتے یعنی دعوت پر توجہ نہیں دیتے، دل کے کانوں سے نہیں سنتے۔ آنکھیں ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے یعنی بظاہر تو ایسا لگے کہ وہ متوجہ ہیں لیکن دل اور خیال کہیں اور ہو (7:198، 43-10:42، 47:16)۔ اس سے واضح ہوا کہ سننا وہی سننا ہے، جس کے ساتھ عقل شامل ہو، دیکھنا وہی دیکھنا ہے جس میں توجہ موجود ہو۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ بھی ہے کہ تخلیقی اعمال کے عدم/ نہ ہونے سے انسان حیوانوں سے بھی پست کس طرح ہو جاتا ہے؟

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَتَمَتَّعُوۡنَ وَيَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ وَالنَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ ﴿۱۲﴾ (47:12)

''ان کی زندگی حیوانوں کی طرح کھانے پینے کی زندگی ہے'' یعنی حیوانوں کی مانند کھاتے پیتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔

انسان کی طبیعی زندگی میں تو تولید ہے، لیکن اس کی ذات کی زندگی میں، تولید نہیں، صرف تخلیق ہی تخلیق ہے۔

آفرائشِ نسل یعنی بذریعہ تولید بچے پیدا کرنا، نوعِ انسانی کی بقاء کے لیے ضروری ہے لیکن ذات کا تقاضہ تولید نہیں تخلیق ہے۔

یہاں تین مقامات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(1) صرف تخلیق، (2) صرف تولید اور (3) تولید+تخلیق۔

پہلا صرف مقامِ تخلیق:

یہ مقام خداوندی ہے۔ خدا صرف تخلیق کرتا ہے، تولید سے بالکل پاک ہے۔ وہ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ (112:3) ہے یعنی نہ تو اس کی ہستی، تولید کا نتیجہ ہے اور نہ وہ تولید کے ذریعے کچھ پیدا کرتا ہے۔ وہ خالق ہے اور صرف تخلیق کرتا ہے۔ لہٰذا خدا کا مقام، خالقیّت ہے، ولدیّت نہیں ہے۔ خدا کے مقام خالقیّت میں خدا اشیاء کی تخلیق کے لئے، پہلے سے عدم سے نکالے ہوئے مسالے کو، مختلف تراکیب وتناسب سے، مختلف فارمولوں سے، جوڑ کر نئی نئی چیزیں بناتا چلا جاتا ہے۔ صفت تخلیق سے پہلے خدا کی دو صفات بدیع اور فاطر عدم سے مسالہ مہیّا کرتی ہیں، جن کو مختلف تراکیب وتناسب سے جوڑ کر خدا اشیاء بناتا ہے۔ خدا کے موجودہ نظام میں خدا کی تخلیق اس کی صفات بدیع اور فاطر کی رہین منّت ہے۔

دوسرا صرف مقامِ تولید:

یہ مقامِ نباتات وحیوانات ہے۔ خدا کی تخلیق کردہ اشیاء میں جمادات کو تو چھوڑ دیں کہ ان میں زندگی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ، نباتات اور حیوانات ہیں۔ ان میں تولید یعنی Procreation ہے کہ اپنے جیسا پیدا کرتے چلے جانا۔ تولید، نر و مادہ کے جنسی اختلاط کے بعد اپنے جیسے بچے کا پیدا کرنا ہے۔ یہ سلسلہء تولید نباتات، حیوانات اور انسان کے طبیعی جسم کی پیدائش میں یکساں موجود ہے۔ اس مقام پہ تولید ہوتی ہے، لیکن تخلیق نہیں ہوتی۔ صرف تولید کی حامل اشیاء تخلیق نہیں کرسکتیں۔ مثال کے طور پر نباتات اور حیوانات تخلیق سے نا آشنا ہیں۔ یہ صرف تولید Procreation کر سکتے ہیں، تخلیق نہیں کر سکتے۔ یہ زندگی کی پہلی سطح ہے، جس میں تولید تو ہے، تخلیق نہیں ہے۔

جس انسان کی زندگی میں تولید بھی نہیں ہے، اس کے لئے ایمان کی ضرورت بھی نہیں ہے، کیونکہ وہ تو حیوان سے بھی گیا گزرا ہوتا ہے۔ بکری اور شیر نہ تو مومن ہوتے ہیں اور نہ کافر۔ یہ کھاتے پیتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں، ان کی پرورش کرتے ہیں اور مرجاتے ہیں، یہاں تخلیق نہیں ہے۔

اس بات کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ انسان کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ وہی ہے جو حیوانات سے متعلق ہے یعنی انسان کی طبیعی زندگی، جس میں عالمِ آفاق کا بدیہی طور پر وہی قانون کارفرما ہے، جو عام حیوانات میں جاری وساری ہے۔ حیوانات ہی کی طرح اس کی زندگی کا دارومدار بھی، ہوا، اور غذا پر ہے نیز سونا اور جاگنا بھی اسی طرح ہے۔ اس کے جسم کی مشینری بھی حیوانات کی مشینری کی طرح ہی چلتی ہے۔ اسی قانون کے ماتحت اس کا جسم زندہ رہتا ہے اور اسی کے مطابق جسم مر جاتا ہے۔ لہٰذا، جس قدر معاملات اس کے طبیعی زندگی سے متعلق ہیں، وہ اس کی انسانی زندگی کے نہیں بلکہ حیوانی زندگی کا حصہ ہیں، اور عالمِ آفاق کے قانون کے ماتحت آتے ہیں۔

تیسرا مقام تولید+تخلیق:

یہ مقام انسانیّت ہے۔انسان کی طبیعی زندگی تو وہی حیوانی زندگی ہے،اس لئے نر و مادہ کے اختلاط سے، یہ اپنے جیسے جسم ہی پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔انسان کی طبیعی زندگی،طبیعی قوانین کے تابع ہے یعنی زندہ رہنے کے لئے کھانا پینا،سانس لینا،روشنی، گرمی وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔طبیعی قوانین کی خلاف ورزی سے انسان بیمار ہوتا ہے اور علاج کرانے سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔آخر کار اس کی جسمانی مشین بند ہو جاتی ہے اور یہ مر جاتا ہے۔لہٰذا انسان کی طبیعی زندگی وہی ہے جو ایک حیوان کی ہے، لیکن انسان محض اس کے جسم کا نام نہیں ہے۔یہ عبارت ہے اس کے طبیعی جسم کی زندگی اور اس کی غیر طبیعی ذات کی زندگی سے۔ غیر طبیعی ذات کو خدا نے اختیار و ارادہ اور فواد عطا کیے ہیں۔انسانی ذات کا انسانی جسم کے اندر ٹھکانہ کہاں ہے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں ہے اور نہ معلوم ہو سکتا ہے۔

انسان کی زندگی میں تولید ہی تولید رہے اور خدا کی صفت تخلیق نہ آئے تو یہ مادہ پرستی کی زندگی ہے۔انسانی ذات کی زندگی کی تکمیل کا ذریعہ تولید کرنا نہیں ہے بلکہ تخلیق کرنا ہے۔تولید تو انسان کی طبیعی نسل کی بقاء کے لئے ضروری ہے۔

ذات کی نشوونما، یا اس کی تکمیل، تخلیق کرنے سے ہوتی ہے۔روپیہ پیسہ جمع کرنا، کاروبار کرنا سب تولید میں آجاتا ہے کہ آپ اپنے اور بچوں کے لئے مادی اسباب جمع کرتے ہیں۔انسان کو ذات عطا ہو جانے کے بعد مقصد حیات تولیدی زندگی سے بلند ہے یعنی تخلیقی زندگی ہے۔تخلیق کے لئے آرزو، مدعا، مقصد سامنے ہونا چاہیے۔حیوانی زندگی میں آرزو اور مقصد نہیں ہوتا، محض طبیعی زندگی ہوتی ہے اور یہ طبیعی قوانین کے تابع گزرتی چلی جاتی ہے۔انسان کے اندر سے آرزو، مدعا اور مقصد کا ابھرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد تخلیق کرنا ہے تاکہ اس کی ذات کی زندگی کی نشوونما ہو سکے۔جو شخص اپنے تخلیقی کارناموں سے اپنی ذات کی نشوونما نہیں کر سکتا وہ اپنے مقصد حیات میں ناکام ٹھہرتا ہے۔یہ جو ہماری مادی زندگی یا تولیدی زندگی کا مقصد ہے، تو یہ ہمارا تخلیق کیا ہوا نہیں ہے، ہم نے کہیں بیٹھ کر، سوچ بچار کر کے کسی کارخانے میں نہیں بنایا کہ ہم کھانا کھانے، پانی پینے اور سانس لینے سے زندہ رہیں گے۔یہ خدا کا تخلیق کردہ ہے۔جس شخص میں قوّتِ تخلیق نہیں اسے علامہ اقبالؒ نے کافر و زندیق کہا ہے، اس کی زندگی کو تولیدی، مادی اور تکراری کہا ہے۔

یہ شرفِ انسانیت، انسانی ذات تک ہی محدود ہے۔ہم نے دیکھا کہ:

(1) جہاں تولید نہیں، صرف تخلیق ہے وہ تو مقام خداوندی ہے۔

(2) جہاں صرف تولید ہے، تخلیق نہیں ہے، وہ مقام حیوانات و نباتات ہے۔

(3) جہاں تولید کے ساتھ تخلیق بھی ہے وہ مقام انسانیّت ہے۔

انسانی ذات کی انفرادیت لئے ہوئے جوابدہی کا قرآنی اصول:

قرآن ایک انسان کو، ایک فرد کو، بلکہ ہر ایک فرد کو الگ الگ Individuality یا انفرادیت کا حامل سمجھتا ہے۔فردًا کا ترجمہ انفرادیت ہے، جسے انسانی ذات یا اس کی Personality کہا جاتا ہے۔اچھے بُرے اعمال کے، اچھے بُرے

نقوش انسانی ذات پر مرتب ہوتے ہیں۔ انسان تنہا پیدا ہوتا ہے اور کسی سابقہ جنم یا کسی دوسرے شخص کے گناہوں کے اثرات لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ وہ سادہ سلیٹ لے کر آتا ہے۔ اسی طرح اس کے اعمال کی سزا بھگتنے میں بھی نہ کوئی دوسرا شریک ہوسکتا ہے اور نہ کوئی اس کی مصیبت یا سزا کو بانٹ سکتا ہے۔ اپنے اعمال کی سزا خود بھگتنا انسانی ذات کی انفرادیت ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝۹۵ (19:95)

یہ سارے کے سارے قیامت میں اکیلے پیش ہونے والے ہیں۔

انسانی ذات وہ ہے، جسے انسان ''میں'' کہہ کر پکارتا ہے۔ باقی تمام اشیاء کو ''میری'' یہاں تک کہ اپنے رب کو بھی ''میرا رب'' کہہ کر پکارتا ہے۔ موت کے بعد صرف ''میں'' آگے جاتی ہے۔

اِس کی قرآن سے بھی وضاحت ملتی ہے کہ:

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ (6:94)

یقیناً تم ہمارے پاس اس طرح انفرادیت لئے ہوئے آتے ہو جس طرح ہم نے پہلی دفعہ منفرد حیثیت میں تمہیں پیدا کیا تھا۔ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا، اُس کو پیچھے ہی چھوڑ آئے۔

یقینی طور پر تم ہمارے پاس اسی انفرادیت کو لئے ہوئے آتے ہو، جس طرح ہم نے تمہیں پہلی دفعہ منفرد حیثیت سے پیدا کیا تھا۔ مَیں کے علاوہ وہ مادی اشیاء جسے وہ ''میری'' یا ''میرا'' کہتا تھا، سب پیچھے رہ جاتی ہیں۔ انسانی ذات کی یہ انفرادیّت ہے کہ وہ اس کے تمام اعمال کی ذمّہ دار ہوتی ہے۔ انسان کے تمام مادی لوازمات و نسبتیں یہاں رہ جاتی ہیں، جبکہ اس کی ذات پر مرتّب اچھے یا برے اعمال کے نقوش، جو کہ غیر مادی ہوتے ہیں، وہ ذات کے ساتھ آگے جائیں گے۔

انسان کو دنیا میں آکر کچھ بننا ہوتا ہے۔ انسان کو کچھ بننے کے لئے، مادی اشیاء یعنی اسباب و ذرائع ''کچھ بنانے'' میں مددگار ہوتے ہیں، مگر وہ مادی ذرائع مقصود بالذّات نہیں ہوتے۔ مقصود بالذّات ہے ''انسان کا کچھ بننا''۔ انسان کو جو کچھ بننا چاہئے، اس کے لئے خدا نے قرآنی راہ نمائی عطا فرمادی ہے تاکہ انسان، وہ کچھ بن جائے، جو خدا اسے بنانا چاہتا ہے، اور یہ وہ کچھ بن جائے۔ جو قرآنی راہ نمائی سے دور رہے گا یا فاصلے پر رہے گا تو وہ، وہ کچھ نہ بن سکے گا، جو قرآن اس کو بنانا چاہتا ہے اور جو کچھ قرآن بنانا چاہتا ہے وہی انسان کے لئے مقصود بالذّات ہے۔ سامان زیست To have ہے، اور جو کچھ اس کو بننا ہے وہ To be ہے۔

قانون مکافات کے سلسلہ میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ہر نفس اپنے اعمال کے نتائج سے خود متاثر ہوتا ہے۔ اس سے نفس کی یکتائی Uniqueness ثابت ہوتی ہے۔ اس میں نہ آپ اپنے عمل کا کوئی حصہ کسی دوسرے کی طرف منتقل کر سکتے ہیں، اور نہ کسی دوسرے کے عمل کا اثر آپ کی طرف منتقل ہوسکتا ہے۔

انسانی ذات کی بنیاد میں قانونِ مکافاتِ عمل کی اہمیت:

انسانی زندگی محض طبیعی یا حیوانی زندگی ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے، جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی ہے تو طبیعی زندگی، لیکن چونکہ یہ مدنی الطبع واقعہ ہوا ہے اِس لئے اس کی زندگی انفرادی نہیں

اجتماعی ہے۔ یعنی اِس نے معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے قوانین وضع کئے جائیں، جن سے معاشرہ کے مختلف افراد میں ٹکراؤ نہ ہو اور سب امن چین اور خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کریں۔ اس مقصد کے لئے سوسائٹی کچھ قوانین وضوابط مرتب کرتی ہے، جن کی پابندی سب افراد کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ جو اِن قوانین کو توڑتا ہے، معاشرہ اِسے مجرم قرار دے کر، قانون شکنی کی سزا دیتا ہے۔ اسے معاشرہ کا نظامِ عدل کہا جاتا ہے۔ یہ بھی درحقیقت قانونِ مکافاتِ عمل ہی کی ایک شکل ہے لیکن معاشرے کے قانون میں اور طبیعی قانون میں کچھ فرق ہے، اور وہ فرق بڑا اہم ہے۔ معاشرہ کے نظامِ عدل کی رو سے ہوسکتا ہے کہ:

1۔ ایک شخص قانون شکنی کرے، لیکن نظامِ عدل کی گرفت میں نہ آئے۔

2۔ گرفت میں آئے بھی، تو کسی نہ کسی طرح اپنے جُرم کی سزا سے بچ جائے۔ رشوت سے، سفارش سے، یا فریب دہی وغیرہ سے۔

3۔ جو شخص اِس طرح قانون شکنی کی سزا سے محفوظ رہ جائے، اس میں اور اُس شخص میں جس نے قانون شکنی نہیں کی تھی، کوئی فرق نہیں رہتا۔ دونوں سوسائٹی کی نگاہ میں یکساں ''مملکت کے پُرامن شہری'' ہوتے ہیں۔

4۔ جب معاشرہ میں قانون شکنی عام ہوجائے، تو قانون شکن اِن لوگوں کے مقابلہ میں، جو قانون کی پابندی کرتے ہیں زیادہ مزے میں رہتے ہیں کیونکہ یہ جائز اور ناجائز ہر طریق سے مفاد حاصل کر لیتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرا نظریۂ زندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی محض طبیعی زندگی نہیں۔ اس میں حیاتِ طبیعی کے علاوہ ایک اور شے بھی ہے جسے انسانی ذات کہا جاتا ہے۔ انسان کے ہر عمل کا اثر اُس کی ذات پر پڑتا ہے۔ اچھے کام کا اچھا اثر اور بُرے کام کا بُرا اثر۔ اِس اثر سے انسان اپنی کاریگری یا پُرکاری سے بچ نہیں سکتا۔ اِس کے لئے، نہ دیکھنے والے کی ضرورت ہوتی ہے، نہ گرفتار کرنے والے کی حاجت۔ نہ کسی دنیاوی عدالت کے فیصلے کی ضرورت پڑتی ہے، اور نہ اِس فیصلہ پر عمل کرانے والی انتظامیہ کی حاجت۔ یہ نتیجہ اسی طرح خود بخود مرتب ہوتا ہے، جس طرح آگ میں اُنگلی ڈالنے سے اُنگلی جل جاتی ہے۔ انسان کی طبیعی موت کے بعد، اُس کی ذات کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ اس کی ذات اِن اثرات کو لئے ہوئے، جو اُس پر عمر بھر مرتب ہوتے رہتے تھے، مرنے کے بعد آگے بڑھتی ہے اور جس قسم کے اثرات کا مجموعی پلڑا بھاری ہو، اُس کے مطابق اُس کا مستقبل متشکل ہوتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ (101:6-9)

''(حسنات میں) جس کا پلڑا بھاری ہوگا، وہ خوشگوار اور پسندیدہ زندگی بسر کرے گا، اور جس کا پلڑا ہلکا ہوگا، وہ تباہی کے عمیق گڑھے میں ہوگا۔''

اس آیت میں ارتقاء کا انسانی ذات میں نشوونما اور ضعف وتنزل کا اصول کارفرما ہے۔ جو اعمال ذات کی نشوونما اور اِس کی تقویت واستحکام کا موجب بنتے ہیں اگر اِن کا وزن زیادہ ہے، تو وہ اعمال جو اِس کی کمزوری کا باعث تھے، نیچے دب جاتے ہیں۔ یعنی اِن کے اثرات ذات کی نشوونما کو روکتے نہیں۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہے، تو تقویت اور نشوونما بخش اعمال، منفی

اثرات کی وجہ سے، انسانی ذات کے مزید ارتقاء کا موجب نہیں بنتے۔

انسان کی ذات کے ہر عمل کی بنیاد اس کے ارادہ پر ہوتی ہے، اس لیے اس کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والے خیالات اور نگاہ کی خیانت تک کا بھی۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿١٩﴾ (40:19)

(خدا) نگاہ کی خیانتوں اور دل میں گزرنے والے خیالات تک سے واقف ہے۔

یہی انسان کا ''اعمال نامہ'' ہے جو اس کی گردن میں لٹکا رہتا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ (17:13)

اور جو آدمی ہے، لگا دیا ہے ہم نے، اس کا اعمال نامہ اس کی گردن میں، اور نکال دکھائیں گے اس کو قیامت کے دن ایک کتاب، کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی۔

اس اعمال نامہ کو وہ ظہور نتائج کے وقت دیکھے گا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ (17:14)

''تو اپنی کتاب آپ پڑھ۔ آج تیرا نفس خود تیرا حساب لینے کے لیے کافی ہے۔''

اسی سے انسانی ذات کی انفرادیت ثابت ہوتی ہے۔ ہر انسانی ذات منفرد (Unique) ہوتی ہے اور اس کے ہر عمل کا اثر اس کے اپنے اوپر ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوسکتا۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ (6:164)

''ہر نفس کو اپنے اعمال کا خمیازہ خود بھگتنا پڑتا ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔''

قرآن کریم نے انسان پر روا ہوتے نقصانات دو طرح کے بتائے ہیں۔ ایک قسم ان نقصانات کی ہے، جن کا تعلق انسان کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس قسم کا نفع و نقصان ہر ایک، ایک دوسرے کو پہنچا سکتا ہے، لیکن دوسری قسم کا نقصان وہ ہے جو انسان کی ذات کو پہنچتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس قسم کا نقصان کوئی شخص کسی دوسرے کو نہیں پہنچا سکتا۔ یہ نقصان خود ہی انسان اپنی ذات کو پہنچاتا ہے اور اس کی تلافی بھی وہ خود ہی کرسکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ (5:105)

اے ایمان والو! تمہاری ذات (نفس) کی حفاظت کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔ اگر تم سیدھے راستے (ہدایت) پر چلتے جاؤ گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

تخلیق کائنات کا اہم مقصد ہی قانونِ مکافاتِ عمل کے نفاذ میں انسان کے ہر عمل کی جزا دینے پر موقوف ہے۔ قرآن میں ہے کہ:

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾ (45:22)

''اور خدا نے زمین و آسمان (کائنات) کی تخلیق حق پر کی ہے، تاکہ ہر شخص کے اعمال کی جزا دی جائے، اور کسی قسم کی زیادتی نہ ہو''۔

اِس جزا کے عمل کو، اِس دنیاوی زندگی کے محدود اور مختصر عرصۂ حیات پر محدود نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ عمل کی جزا کا سلسلہ بڑھاتے ہوئے، اِسے حیات بعد الممات تک طول دے کر، قرآن اسے بطور اٹل حقیقت کے ظاہر کر کے لاتا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (67:2)

ہم نے موت اور زندگی کو اِس لئے بنایا ہے تاکہ تمہیں نمود (ذات کی نشوونما) کے مواقع مل جائیں، اور یہ دیکھا جا سکے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے (جس سے اُس کی ذات کی نشوونما ہو جائے)۔

قانونِ مکافاتِ عمل پر علامہ اقبال کا موقف:

علامہ اقبال نے انسانی ذات کو اپنی اصطلاح میں خودی کے نام سے متعارف کراتے ہوئے، اُس کی نشوونما اور استحکام کو زندگانی کا مقصد ہی قرار دے دیا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ:

ذات میں افزونی پیدا ہوگی تو کس طرح، اور یہ کیسے ہوگا کہ فساد اور ہلاکت سے محفوظ رہے؟ اس کا جواب ہے عمل سے۔

قرآن میں ہے کہ:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (67:2)

''وہی تو ہے، جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ معلوم کرے کہ تم میں سے کون سب سے اچھے عمل والا بنتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ اپنے تمام پروگراموں پر غالب ہے، اور ان کو ہر قسم کی تخریب سے محفوظ رکھتی ہے۔

علامہ اقبال مزید کہتے ہیں کہ:

''گویا زندگی وہ فرصت ہے، جس میں خود کو عمل کے بے انتہا مواقع میسر آتے ہیں، اور جس میں موت اس کا پہلا امتحان ہے تاکہ وہ دیکھ سکے، اسے اپنے اعمال وافعال کی شیرازہ بندی میں کس حد تک کامیابی ہوگی۔ یہ یاد رہے کہ اعمال کا نتیجہ نہ تو لطف ہے، اور نہ درد ہے۔ اعمال تو خودی کو سہارا دیتے ہیں، یا اس کی ہلاکت اور تباہی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ امر کہ خودی فنا ہو جائے گی یا اس کا کوئی مستقبل ہے، عمل پر موقوف ہے۔ خودی کو برقرار رکھیں گے تو وہی اعمال، جن کی بنیاد اسی اصول پر ہے کہ ہم بلا امتیازِ من وتو، خودی کا احترام کریں۔ لہٰذا بقائے دوام انسان کا حق نہیں بلکہ اس کے حصول کا دارومدار ہماری مسلسل جدوجہد پر ہے۔ بالفاظ دیگر ہم اس کے امیدوار ہیں۔''

اس طویل اقتباس اور ذات کی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ انسان کی حقیقی خواہش یہی ہونی چاہیے کہ وہ ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچنے کی کوشش کرے، جہاں نہ صرف اسے بقاء حاصل ہو بلکہ مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے مواقع بھی میسر ہوں۔ اِس کے بعد اِسے جسمانی نظام کی جگہ معلومات (محسوسات) فراہم کرنے، اور اِس کے نافذ کرنے والا دوسرا مختلف نظام مل جائے گا۔ یہ ارتقاء یافتہ درجہ، نشوونما یافتہ انسانی ذات کی حامل انسانیت کا ہوگا جو حیات اُخروی کے میدان میں مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہوتی ہے۔

زندگانی ہے صدف قطرۂ نیساں ہے خودی — وہ صدف کیا کہ جو قطرہ کو گُہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی — یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

اللہ کا غیر متبدل قانونِ مکافاتِ عمل:

خدا کا قانون ارتقاء یعنی ارتقاء سے متعلق سنّت اللہ، ذات عطا کیے جانے کے بعد بھی وہی ہے، جو پہلے طبیعی ارتقاء میں تھی۔ اب جو بھی وحی کی روشنی میں، اخروی زندگی کے موانعات کو ہٹانے یا مغلوب کرنے کے لئے، اپنی ذات میں، مطلوبہ قوّت مدافعت اور محافظت حاصل کرلے گا، اس کی ذات طبیعی جسم کی موت کے بعد، زندگی کے اگلے مگر بہتر اور بلند مراحل طے کر سکنے کی وجہ سے مزید مراحل طے کرے گی۔ موت سے طبیعی زندگی ختم ہوجاتی ہے، انسانی ذات کی زندگی یا انسانی زندگی ختم نہیں ہوتی۔ جو شخص اپنی غیر مرئی ذات کی نشوونما قوانین خداوندی کے مطابق نہ کر سکے گا، تو طبیعی موت کے بعد، اس کی ذات مزید ارتقائی مراحل طے کرنے سے روکی نہیں جائے گی، بلکہ وہ خود رک جائے گی، کیونکہ اس میں مزید سفر کرنے کی استعداد ہی نہ ہوگی۔ رک جانے والی ذاتوں پر خدا کا کوئی ظلم نہیں ہوگا، اور آگے بڑھ جانے والی ذاتوں پر خدا کا احسان بھی نہ ہوگا۔ اگلا اور بہتر (بلند) ارتقائی مرحلہ، بخشیش کے طور پر، احسان کے طور پر، زندگی کی کسی شاخ کو، کسی مرحلے میں کبھی نہیں ملا، بلکہ طبیعی عمل کے نتیجے میں اگلے مرحلے کی موانعات کو ہٹانے یا مغلوب کر لینے کے لئے مطلوبہ قوّت مدافعت ومحافظت حاصل کر لینے والی زندگی کی شاخوں کو ارتقاء میں اگلا مگر بہتر اور بلند مرحلہ ملتا رہا ہے۔ غیر مرئی ذات ملنے کے بعد طبیعی ارتقاء کا سلسلہ تو ختم ہوا، البتہ اب جو شخص بھی اپنی ذات میں، قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے، اگلے مرحلے کی موانعات کو ہٹانے، اور مغلوب کرنے کے لئے مطلوبہ مقدار میں غیر مرئی قوّت مدافعت ومحافظت حاصل کرلے گا، تو وہ موت کے بعد، اگلے ارتقائی مرحلے کا اہل ہوگا۔

یہی بات قرآن میں کہی گئی ہے کہ:

اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ۟ نُزُلًۢا بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ (32:19)

یعنی جنّت احسان کے طور پر نہیں، بلکہ اعمال کی بنا پر، بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ کی بنا پر، اہل ذاتوں کو ملے گی۔

ایسی جنت پھر انسان سے چھینی نہیں جائیں گی، کیونکہ یہ احسان کے طور پر نہیں، بلکہ اعمال کے بدلے میں ملی ہوئی ہوں گی۔ خدا کے قانون ارتقاء کا جو اصول طبیعی زندگی میں چلتا رہا، وہی قانون ارتقاء اخروی زندگی میں بھی چلتا رہے گا، کیونکہ خدا کی سنّت کبھی بدلا نہیں کرتی۔

ایصال ثواب کا عقیدہ قرآن کریم کے مکافاتِ عمل کے اصول کے منافی:

انسان کی Individuality یا انفرادیت فراڈی ہے۔ انسان کی انفرادیت کو قرآن شروع سے آخر تک دہراتا چلا جاتا ہے۔ انسان کی اس انفرادیت پر اعمال کے نقوش، خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل مرتب کرتا ہے۔ تائید میں دو آیات مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ (30:44)

جو بھی صداقتوں سے انکار کرتا ہے، اس کا نقصان اسی کو اٹھانا پڑے گا، اور جو بھی صلاحیت بخش کام کرتا ہے، تو وہ خود اپنی ذات کے لیے اچھی زندگی کی تیاریاں کرتا ہے۔''

جس طرح ایک شخص کے برے اعمال کا نتیجہ دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا، بالکل اسی طرح کسی کے اچھے کاموں کے خوشگوار نتائج بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتے۔ قرآن نے ایصال ثواب کے تصور کی جڑ کاٹ کے رکھ دی ہے۔ ایصال ثواب کا تصور قرآن کے اس تصور کے خلاف ہے کہ ''جو بھی صداقتوں سے انکار کرتا ہے، اس کا نقصان اسی کو اٹھانا پڑے گا، اور جو بھی صلاحیت بخش کام کرتا ہے، تو وہ خود اپنی ذات کے لیے اچھی زندگی کی تیاریاں کرتا ہے'' (30:44) دوسرے مقام پہ ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ (41:46)

''جو بھی نیک کام کرتا ہے وہ اپنی ذات کے لیے کرتا ہے اور جو برا کام کرتا ہے اس کا نقصان بھی اسی کو بھگتنا ہوتا ہے۔''

ہمارے ہاں صدقہ، کفارے ہی کی بگڑی ہوئی شکل اختیار کر گیا ہے۔ یہ بھی قرآن کے خلاف ہے کہ:

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ (41:46)

خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتا، کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔''

یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے صبح کی سیر کرنے سے، صحت میرے بھائی کی اچھی ہوجائے یا میرے دوا پینے سے میرا بیمار بھائی صحت مند ہوجائے۔ انسانی ذات کے لئے قرآن نے انفسھم کہا ہے یعنی انسان کی Personality (ذات) اس کا Self۔ خدا کے پاس اکیلے جانے کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کی کوئی اضافی چیز جسے وہ ''میری یا میرا'' کہتا ہے، وہ اس کے ساتھ نہیں جائے گی، یعنی جو کچھ تم سے منسوب ہوگا مثلاً میرے ماں باپ، میرا خاندان، میرا گروہ، میری پارٹی، میرا مال و دولت، میرے دوست واحباب، میرا معاشرہ، میرے لیڈر، میری جائیدادیں ان سب کو تم پیچھے چھوڑ آؤ گے۔ جنہیں انسان میرا کہتا ہے یا میری کہتا ہے یہ سب اضافی نسبتیں ہیں۔ خدا کی میزان صرف اعمال تلتے ہیں جنہیں ذات اپنے ساتھ لے کر جاتی ہے۔

(جاری ہے)

فیصل آباد کے احباب کے لئے ضروری اطلاع



اب طلوع اسلام کی تمام بکس اور ''طلوع اسلام'' میگزین

فیصل آباد میں ہماری دو بزموں کے

علاوہ مندرجہ ذیل پتہ پر بھی مل سکتے ہیں۔

فون نمبر:
0322-6386991

حکیم عبدالمجید

ہاؤس نمبر P-1479 سٹریٹ نمبر 1، محلہ فتح آباد، فیصل آباد

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
www.azharabbas.com
khawaja.azharabbas@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمدیت

جس کے سارے بنیادی عقائد قرآن کے خلاف ہیں ہمارے ہاں وطن عزیز پاکستان میں اور اس سے پیشتر غیر منقسم ہندوستان میں تقریباً سوا سو سال سے احمدیت کا مسئلہ چلا آ رہا ہے اور ایک دور میں لوگ احمدی ہوئے جا رہے تھے۔ ختمِ نبوت کا مسئلہ جس قدر اہم ہے قرآنِ کریم نے اس قدر اس کو واضح طور پر بیان بھی کیا ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اتنا اہم مسئلہ، اور قرآنِ کریم میں اس کی اس درجہ وضاحت کے بعد بھی احمدیت کی ابتداء کیسے ہوگئی اور یہ کیسے روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ احمدیت کے سارے عقائد خلافِ قرآن ہیں اور جن خلافِ قرآن عقائد پر اس کی بنیاد ہے بدقسمتی سے ہمارے علماء کرام کے بھی وہی خلاف قرآن عقائد ہیں جن پر احمدیت کا انحصار ہے۔ اس لئے ہمارے علماء احمدیت کی تردید نہیں کر سکے۔ احمدیت کی بنیاد (1) نبیؐ و رسول ﷺ میں فرق کرنے کا عقیدہ (2) وحی خفی کا عقیدہ (3) الہام (4) روح انسانی کا عقیدہ (5) وفات و نزول مسیح (6) آمدِ مہدی (7) فرقہ بندی (8) پیش گوئیاں (9) استخارہ (10) محدثیت پر ہے۔ یہ سارے عقیدے قرآن کے خلاف ہیں لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ان میں سے ہر عقیدہ ہمارے علماء کرام بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارے علماء کرام کے سامنے نہ تو دین کا تصور اس وقت تھا اور نہ اب ہے۔ احمدیت خالص مذہب ہے اور مذہب کا دور اب ختم ہو رہا ہے۔ احمدیت کا دُور دُور سے بھی دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہب کا دارومدار روحانیت پر ہوتا ہے اور روحانیت کا انحصار پرستش پر ہے۔ جبکہ دین کا دارومدار نفسِ انسانی پر ہوتا ہے اور اس کا انحصار اطاعت خداوندی پر ہوتا ہے۔ جو صرف اسلام کے نظام کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ مذہب میں پرستش ہر جگہ کی جا سکتی ہے اور اس کے نتائج مرنے کے بعد سامنے آتے ہیں۔ دین میں اطاعت ہوتی ہے اس کے نتائج اس دنیا میں بھی سامنے آتے ہیں۔ حضور کے بعد نبوت ختم ہوگئی اور ختم نبوت کے بعد رسالتِ محمدیہ ﷺ کا عملی نفاذ قرآنی نظام حکومت میں ہوا۔ حضور کے قائم کردہ نظام کی وارث یہ اُمت محمدیہ ہے۔ اسی وجہ سے یہ ''خَیرُ الْاُمَم'' ہے۔ جب تک وہ نظام قائم رہا مسلمانوں میں کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلامی نظام کے منقرض ہونے کے بعد مدعین نبوت پیدا ہوتے رہے۔ اس وقت اس کا واحد علاج یہ ہے کہ آپ پھر اسلامی نظام قائم کریں، اس کے بعد کوئی نبوت کا دعویٰ نہیں کرے گا۔

قرآن کریم کا ارشادِ عالی ہے وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ط (42:10) ترجمہ: تم لوگ جس بات میں بھی جھگڑا کرتے ہو، کوئی بھی چیز ہو، اس کا فیصلہ اللہ کا حوالے ہے۔ خدا کی کتاب کی طرف آجاؤ۔ یہ اختلاف ختم کردے

گی۔ یہ اس کا دعویٰ ہے۔ ایک مقام پر تو ارشاد ہی یہ ہے کہ اس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں ہے ہماری بدقسمتی یہ ہے احمدیت کے سلسلہ میں یہ ہوا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے میں قرآن کی طرف رجوع ہی نہیں کیا گیا۔ تمام بحث کا دارومدار احادیث اور روایات پر رہا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ (2:213)

ترجمہ: پھر اللہ نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری کہ وہ کتاب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ جس بات میں وہ جھگڑا کریں۔

انبیائے کرام کا مقام بلند اور ان کا فریضۂ حیات یہ تھا کہ وہ اپنی وحی کے مطابق نظام قائم کریں اور اس میں اس کتاب کے مطابق فیصلے کریں۔ یہ بات کہ نبی کا کیا مقام ہوتا تھا وہ مرزا اور غلام قوموں کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتا تھا کہ انبیاء کرام کتنا بڑا انقلابی پیغام لے کر آتے تھے۔ جو انبیاء کرام ہوتے تھے وہ وعظ کہنے اور لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑ کر منتیں کرنے نہیں آتے تھے۔ وہ باطل کے نظام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر حق کا نظام قائم کرنے آتے تھے۔ یہ اختلافی معاملہ کے درمیان لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ (2:213) لوگوں کو حکم دیتے تھے۔

اسی مضمون کو سورۃ الحدید میں تاکید مکرر کے ساتھ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (57:25)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول (علیہم السلام) نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب و ترازو اتاری تاکہ لوگ انصاف پر سیدھے رہیں انسانیت کی راہنمائی کے لئے ہم اپنی طرف سے انبیاء کرام بھیجتے رہے اور وہ اپنی کتاب کے مطابق نظام قائم کرتے تھے۔

ضابطۂ قوانین، الفاظ کی شکل میں قانون ہوتا ہے۔ جب اس قانون کو آپ عملاً جاری کرتے ہیں تو وہ نظام عدل کہلاتا ہے۔ عدل کی علامت ترازو ہوتی ہے جس کے لئے المیزان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جب انبیاء کرام اپنی کتاب کے مطابق معاشرہ قائم کرتے تھے تو وہ معاشرہ عدل پر مبنی ہوتا تھا۔ اس لئے قرآنِ کریم نے اس کو المیزان کہا ہے۔

ہمارے علماء انبیاء کرام کی اس عظمت اور ان کے اس بلند مقام اور ان کے اس منصب و فریضہ کے قائل نہیں ہیں۔ اگر وہ انبیاء کرام کے اس بلند مقام و فریضہ کے مقابلے پر مرزا کو دیکھتے تو احمدیت اسی دن ختم ہو جاتی۔

اب ہم احمدیت کے وہ بنیادی عقائد تحریر کرتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں، اور ہماری پیشوائیت بھی خلافِ قرآن

عقائد کو تسلیم کرتی ہے۔ اسی لئے وہ احمدیت کی تردید نہیں کر سکتے تھے وہ عقائد بالترتیب یہ ہیں:

(1) احمدیت اور ہماری پیشوائیت رسول اور نبی میں فرق کرتی ہے، اس عقیدہ سے مرزا نے بہت فائدہ اٹھایا۔

(2) احمدیت اور ہماری پیشوائیت وحی خفی کو تسلیم کرتی ہے۔

(3) الہام کا عقیدہ قرآن کے خلاف۔

(4) روحِ انسانی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

(5) نزول مسیح کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

(6) آمدِ مہدی کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

(7) فرقہ بندی قرآن کے خلاف ہے۔

(8) پیش گوئیاں کرنا قرآن کے خلاف ہے۔

(9) استخارہ کرنا قرآن کے خلاف ہے۔

(10) محدثیت کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔

یہ وہ دس عقائد ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں اور جن کو احمدیت اور ہماری پیشوائیت درست سمجھتی ہے۔ اب ہم ترتیب وار ان عقائد کو قرآن کے خلاف ثابت کرتے ہیں۔

عقیدہ نمبر 1: ہماری پیشوائیت کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہوتا ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب ہوتا ہے اور اپنی شریعت لے کر آتا ہے۔ اس کے برخلاف نبی وہ ہوتا ہے جس کو کتاب نہیں ملتی نہ ہی وہ نبی شریعت لاتا ہے۔ نبی کسی رسول کا متبع ہوتا ہے اور اسی کی شریعت پر عمل کرتا ہے۔ ہماری پیشوائیت کے اس خلاف قرآن عقیدہ سے مرزا نے خوب فائدہ اٹھایا اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہماری پیشوائیت اپنا دفاع نہیں کر سکی۔

اصل یہ ہے کہ نبی کا یہ فرض ہوتا تھا کہ جو وحی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی تھی وہ اس کو دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ اگر چلتی تلواروں کی چمک کے دوران بھی نبی کو وحی ملتی تھی تو وہ نبی اسی وقت اس وحی کو دوسروں تک پہنچاتا تھا۔ جو شخص کسی پیغام کو دوسروں تک پہنچائے وہ رسول ہوتا ہے اس لئے ایک ہی شخص کی دو جہتیں اور دو حیثیتیں ہوتی تھیں۔ جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پاتا تھا تو نبی کہلاتا تھا اور جب وہ اس وحی کو دوسروں تک پہنچاتا تو رسول کہلاتا تھا۔ بلا تمثیل عرض کیا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں ڈپٹی کمشنر جب ٹیکس وصول کرتا ہے تو وہ ڈپٹی کلکٹر ہوتا ہے اور جب وہ اپنے ضلع میں امن وامان قائم کرنے کے لئے اقدامات لیتا ہے تو وہ سٹی مجسٹریٹ کہلاتا ہے۔ اس بارے میں آپ آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ قرآن اس بارے میں کوئی تقسیم نہیں کرتا۔ قرآن کی رُو سے رسولؑ اور نبیؑ میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

(1) فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (2:213)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو معبوث کیا جو مبشر و منذر تھے اور ان سب کے ساتھ کتابیں نازل کیں اس آیت نے وضاحت فرمادی کہ ہر نبی صاحبِ کتاب ہوتا تھا۔

سورۃ الحدید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ (57:25)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان سب کے ساتھ کتابیں نازل کیں۔ یعنی کوئی رسول ایسا نہیں جو صاحبِ کتاب نہ ہو۔ خود حضور کو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ (48:29) بھی کہا ہے اور کہیں يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ (8:64) بھی کہا اور کہیں رسول اور نبی دونوں القابات سے سرفراز فرمایا ہے۔

(2) سورۃ النساء میں ارشادِ عالی ہے:

اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ (4:163)

ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوحؑ اور نوحؑ کے بعد دیگر انبیاءؑ کی طرف بھیجی۔

یہاں نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والوں کو انبیاءؑ کہا ہے اور اس کے بعد آنے والوں کا نام کنفرم کر دیا۔ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ اس کے بعد فرمایا:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۚ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (4:164-165)

یہاں آپ غور فرمائیں کہ پہلے انہیں انبیاءؑ کہا اور پھر انہیں ہی رسول کہہ دیا۔ ان ہی کے متعلق دوسری جگہ ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ (6:90)

اس خدا نے کتاب، حکومت اور نبوۃ عطا فرمائی۔ ان آیات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جسے نبوت ملتی تھی اُسے کتاب بھی ملتی تھی۔

(3) قرآن نے مسلمان کی یہ تعریف کی ہے کہ جو شخص اللہ، ملائکہ، کتب، رُسلؑ اور آخرت پر ایمان لاتا ہے وہ مسلمان ہے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ (2:177) مسلمان وہ ہے جو اللہ، آخرت، ملائکہ، کتب اور انبیاء پر ایمان لاتا ہے، دوسری جگہ فرمایا مسلمان وہ ہے جو كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ (2:285) اس آیت میں انبیاءؑ کی جگہ رسلؑ فرمایا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسلؑ اور انبیاءؑ ایک ہی ہوتے تھے۔

(4) پہلے کہا تم انبیاء کو قتل کر دیا کرتے تھے وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ (3:181) پھر فرمایا کہ تم رسولوں کو قتل کر دیا کرتے تھے (3:183)۔

ان آیات سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ رسولؑ اور نبیؑ ایک ہی شخصیت کے دو پہلو ہوتے تھے۔ ہر نبیؑ رسولؑ ہوتا تھا اور ہر

رسولؑ نبیؑ ہوتا تھا لیکن ہماری پیشوائیت نے ان میں تفریق کی اور نبیؑ کے لئے کتاب کو ضروری قرار نہیں دیا۔ مرزا نے اس کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ نبی کی وحی یعنی اس کی کتاب اس کے نبی ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ کتاب اپنے Contents سے ثابت کرتی ہے کہ صاحبِ کتاب نبی ہے۔ مرزا چونکہ ایسی کتاب پیش نہیں کرسکتا تھا اس لیے اس نے کتاب کی شرط کو ختم ہی کردیا اور خود کو نعوذ باللہ نبی بلا کتاب کے پیش کیا۔ اگر ہماری پیشوائیت کا بھی یہ خلافِ قرآن عقیدہ نہ ہوتا، تو مرزا ہزاروں کوششوں کے باوجود نبوت کا دعویٰ نہیں کرسکتے تھے۔

پہلا خلافِ قرآن عقیدہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ اب ہم وحی خفی اور الہام کے عقیدہ کی تردید پیش کرتے ہیں۔

شق نمبر 2: وحی خفی اور الہام کے عقیدے کی تردید:

ارشادِ عالی ہے وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ (42:51)

ترجمہ: کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے سوائے اس کے کہ وحی کرے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی رسول بھیج دے، بیشک عالی شان حکمت والا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانیت کو علم ملنے کے تین طریقے بتائے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام اس آیت کی جو تفسیر کرتے ہیں اور علم الٰہی ملنے کے تین طریقے بتاتے ہیں ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے۔ ہم نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے وہ ہمارے مختلف مضامین میں کئی بار طبع ہوچکی ہے ہمیں یہاں تفسیر کا اعادہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ہمارا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم بھی انسانیت کو ملا وہ صرف، اور صرف کلام کے ذریعے ملا ہے اس آیت میں کلام کے تین طریقے بتائے ہیں۔ تینوں طریقوں میں اللہ تعالیٰ کا علم کلام کے ذریعے ملا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی کلام کے ذریعے علم ملا تھا (20:128، 35-28:30) اور کلام کے لئے الفاظ کا ہونا ایک لازمی اور ضروری چیز ہے۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں تحریر فرمایا ہے کہ کلام کا اطلاق منظم و مرتب الفاظ اور ان کے معانی دونوں کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ وحی خفی، الہام، القاء، استخارہ، رویائے صادقہ وغیرہ میں عقیدہ رکھنے والے حضرات یہ مانتے ہیں کہ ان تمام طریقوں میں الفاظ نہیں ہوتے صرف معانی منتقل کئے جاتے ہیں اور یہ بات اس آیت کی رُو سے قرآن کے خلاف ہے۔ بغیر الفاظ کے کوئی علم منتقل ہو ہی نہیں سکتا یہ بات ہی Non-sensical Impossibility ہے۔ آپ قرآن کے اس زریں اصول کو ہمیشہ ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ اس اہم آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو علم بھی آیا تھا وہ صرف الفاظ کی شکل میں آیا تھا۔ الفاظ کے بغیر کوئی علم حاصلی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس ایک ہی آیت سے یہ سب عقائد باطل قرار پاتے ہیں، اور خلافِ قرآن ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ ہماری تائید کرتا ہے۔ اُنہوں نے تحریر فرمایا:

''یہاں یہ بات خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نبیوں سے اپنے کلام کا طریق بتایا ہے۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک ان لوگوں کا خیال صحیح نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ وحی مجرد فکر کی شکل میں دل پر القاء ہوتی تھی جس کو الفاظ کا جامہ پیغمبر پہناتے تھے۔'' (تدبر قرآن ج:7،ص:42)

مولانا اصلاحی کا یہ ارشاد کہ:

''اللہ نے یہ نبیوں سے اپنے کلام کا طریقہ بتایا ہے۔''

تو یہ بات غلط ہے کیونکہ اس آیت میں ساری بشریت سے کلام کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ صرف نبیوں کے ساتھ کا نہیں۔ آیت کے اپنے الفاظ میں ''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ'' خود اس کا ثبوت ہیں، اگر یہ طریقے صرف نبیوں کے لیے ہوتے تو آیت میں وما کان لنبی کے الفاظ آتے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ الہام کا لفظ قرآن کریم میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے لیکن اس کے باوجود تصوف وتشیع کی ساری عمارت اسی ایک عقیدہ پر قائم ہے۔ البتہ اس مادہ سے الھم کا لفظ ایک مقام پر آیا ہے جہاں ارشاد عالیٰ ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (8-91:7)

ترجمہ: اور قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیز گاری کو سمجھا دیا (ترجمہ مولوی فرمان علی)۔

اس آیت کی تفسیر ہمارے متعدد مضامین میں تحریر کی جا چکی ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ''فَاَلْهَمَهَا'' لفظ کے کیا معنی ہیں۔ اس کے معنی ہیں ''اللہ نے نفس انسانی کے اندر امکانی قوتیں رکھ دی ہیں تاکہ وہ فجور اور تقویٰ دونوں کے راستے اختیار کر سکتی ہے۔'' ہماری پیشوائیت اس آیت سے مصطلحہ الہام کا مفہوم لیتی ہے اگر اس کے معنی یہ بھی لئے جائیں تو بھی یہ آیت اس بات کی سند نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو الہام کرتا تھا۔ اس لئے کہ اس آیت میں نفسِ انسانی نکرہ استعمال ہوا ہے اور یہ نکرہ نفس انسانی، مومن کافر، نیک وبدسب کا احصاء کرتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت علماء کے مصطلحہ الہام کے لئے استعمال نہیں ہوسکتی قرآن میں صرف اسی ایک مقام پر الہام کا ذکر آیا ہے اور اس مقام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہ الہام نہیں جو ہمارے علماء انبیاء الہام کی طرف منسوب کرتے ہیں نہ قرآن کی رُو سے براہ راست۔ بحث یہاں ختم ہوجاتی ہے۔

ہمارے جو مفسرین اس آیت سے الہام کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ خیال فرماتے ہیں کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو فجور وتقویٰ الہام ہوتا تھا۔ تو تقویٰ کے الہام ہونے کا تذکرہ تو اکثر اولیاء کرتے ہیں۔ لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ کسی ولی یا کسی عالم کو فجور الہام ہوا ہو۔ حالانکہ آیت میں فجور کا لفظ پہلے آتا ہے اور تقوی کا لفظ اس کے بعد آتا ہے۔ پھر یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کو فجور الہام ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات عالی صفات تو صرف خیر کا منبع وسرچشمہ ہے۔ اس کی طرف فجور کو نسبت دینا مناسب بات نہیں ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ مرزا صاحب وحی اور الہام دونوں کے ہونے کے مدعی تھے۔ بلکہ اپنے اوپر وحی کی بارش ہونے کے مدعی تھے۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے علماء جو الہام کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی وحی اور الہام میں اتنا فرق ہوتا ہے جتنا سورج اور موم بتی میں ہوتا ہے جس شخص پر وحی کی بارش ہوتی ہو۔ بھلا اسے الہام کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب کی افتادِ طبع ہی یہ تھی کہ وہ ہر چیز کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہاں تک کے حضرت مریم تک بننے کے مدعی تھے۔

اس آیت کے ذیل میں ''لغات القرآن'' میں مرقوم ہے ''اس آیت (91:8) کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس انداز سے ہوئی ہے کہ اس کے اندر وہ قوتیں بھی رکھ دی ہیں جن سے انسان کی ذات Personality ٹکڑے ٹکڑے Disintegrate ہوجاتی ہے (فجور ھا) اور وہ قوتیں بھی جن کی رُو سے اس انتشار سے محفوظ رہ سکتی ہیں۔ فجورھا وتقوھا کی ھا خود اس کی دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں ''نفس'' کی کیفیات ہیں۔ اس لیے اس کے معنی یہی ہیں کہ نفس انسانی (انسانی ذات) میں یہ ہر دو ممکنات رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد یہ انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ کہ وہ ان ممکنات یا مضمر قوتوں (Latent Faculties) کو نشوونما دے کر انہیں کس راستے میں صرف کرتا ہے۔ وہ ان سے اپنی ذات کی نشوونما کا کام لیتا ہے یا اس کی تخریب کا۔۔۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (10-91:9)۔

(4) وحی خفی اور الہام کو ہم نے ایک ہی شق میں رکھ کے ان کی تردید کی ہے۔ اب ہم شق نمبر 4، یعنی روح انسانی اور روحانیت کی تردید کرتے ہیں۔

اس شق میں ہم چار عنوانات پر اپنی وضاحت پیش خدمت عالی کریں گے:

(1) روحِ انسانی کی تردید

(2) نفس انسانی کا تعارف

(3) تخلیق انسانی کا طریقہ

(4) قرآن کریم میں روح کا لفظ بیس (20) مقامات پر آیا ہے۔ ہم نے ان سب آیات کی تشریح اپنی کتاب ''روحانیت، اقامت دین میں ایک رکاوٹ'' کی ہے۔ یہ کتاب ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے۔ یہ مضمون چونکہ براہ راست روح اور روحانیت سے متعلق نہیں ہے اس لئے ہم اس جگہ اتنی ہی گفتگو کریں گے جس کا یہ مضمون متحمل ہوسکتا ہے اور یہ حصہ بھی اس کتاب سے صفحہ 60 سے 64 تک کا لیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں روح انسانی کا کسی ایک جگہ بھی تذکرہ نہیں ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (9:100)۔

ترجمہ: اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے، اور جو ان کے پیرو کار ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ ان ''تابع باحسان'' میں قیامت تک کے وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے اقامتِ دین کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ہجرت کی۔ تفسیر معارف القرآن میں تحریر ہے ''قیامت تک آنے والے وہ سب مسلمان شامل ہیں جو ایمان اور عمل صالح میں صحابہ کرامؓ کی عملی اتباع کریں۔'' تفسیر نمونہ میں تحریر ہے ''وہ تمام افراد جو کسی نہ کسی طرح ان دونوں پروگراموں (ہجرت اور نصرتِ دین) پر عمل پیرا ہوں، ''تابعین باحسان'' کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اس دور میں اقامت دین کی یہ اہمیت ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک اسلامی نظام کی اطاعت ہی عبادتِ خداوندی ہوتی ہے۔ اگر اسلامی نظام قائم نہیں ہوتا تو اللہ و رسول کی اطاعت نہیں ہوسکتی۔ اس موجودہ دور میں ساری دنیا میں ایک میل زمین پر بھی اللہ و رسول کی اطاعت نہیں ہو رہی ہے۔ سب جگہ پرستش ہی پرستش ہے۔ اطاعۃ کی خصوصیت یہ ہے کہ طاعۃ معرفۃ اطاعت معروف ہوتی ہے اس کے نتائج اسی دنیا میں آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں جبکہ پرستش کے نتائج مرنے کے بعد Claim کئے جاتے ہیں۔ دین کے نظام میں پرستش کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس نظام میں مساجد الگ نہیں ہوتیں۔ اس قرآنی مملکت کے سارے ادارے جہاں سے اسلامی احکامات جاری اور نافذ ہوتے ہیں وہ سب مساجد اللہ ہوتے ہیں۔ قرآنی اسلامی مملکت کی پارلیمنٹ سپریم کورٹ، تحصیل، تھانے سب مساجد اللہ ہوتے ہیں۔

اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ تحریک طلوع اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی تخلیق اور حیوانی تخلیق کا Process ایک ہی ہے۔ لیکن جب زندگی اس طریقہ کے مطابق مرحلہ بہ مرحلہ حیوانی سطح پر آجاتی ہے تو پھر قرآن کہتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (23:14) (ترجمہ) پھر اُٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں تو پھر یہ زندگی انسانی پیکر میں آجاتی ہے اس فیز کو دوسرے مقام پر قرآن کریم نے نفخِ روح کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے اپنی روح پھونکی وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (32:9)۔ اِس نفخِ روح کا نتیجہ ہے کہ انسان کو سماعت، بصارت اور علم حاصل کرنے کے ذرائع حاصل ہوگئے۔ اس جگہ قرآن کریم نے روح کو خود Define کر دیا ہے۔ اس جگہ دو باتیں عرض کرنی ضروری ہیں۔ روحہٖ میں جو ترکیب ہے ہمارے مفسرین نے اس کو ترکیب اضافی قرار دے کر اس کا ترجمہ اللہ کی روح کر دیا ہے اور اس طرح روح اضافی انسانی کو اللہ کا جزو قرار دیا ہے۔ لیکن یہ بات بالبداہت غلط ہے۔ کیونکہ اللہ کی ذات کا کوئی حصہ اس سے الگ نہیں ہوسکتا۔ اس کی ذات Divisible نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اگر یہ جزوِ خداوندی انسانوں کے جسم میں داخل کر دیا گیا تو ہر شخص تھوڑی بہت الوہیت کا حامل ہوجائے گا۔ اصل یہ ہے کہ یہ اضافت اضافتِ تشریفی ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اپنی طرف منسوب کر کے اس کی عزت و توقیر میں اضافہ کرتا ہے۔ قرآن کریم میں کعبہ کو بیتی (میرا گھر) (2:125، 22:26، 71:28) ان تین مقامات میں ارشاد فرمایا ہے۔

پھر سورہ عنکبوت میں فرمایا:

اِنَّ اَرۡضِیۡ وَاسِعَۃٌ (29:56)

ترجمہ: میری زمین کشادہ ہے۔

ان مقامات پر اللہ تعالیٰ نے، میرا گھر اور میری زمین کہہ کر ان دونوں چیزوں کو عزت بخشی ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس کا جز نہیں ہیں بلکہ اس کی طرف منسوب ہیں اور یہ اضافت، اضافتِ تشریفی کہلاتی ہے، دوسری چیز قابل بیان یہ ہے کہ جب یہ روح خداوندی، یعنی سماعت و بصارت اور غور و فکر کرنے کی صلاحیت، نوع انسانی کو ملتی ہے تو قرآنِ کریم اس کو نفس کے لفظ سے تعبیر کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی انسانی ذات ہے یہی خودی اور Self ہے۔ یہ ہر انسان کو یکساں طور پر ملتی ہے۔ اسی نفس کی نشوونما کو قرآنی ''روحانیت'' کہہ سکتے ہیں۔ یہ صرف قرآنی معاشرہ میں حاصل ہوسکتی ہے۔ ہم نفس کے موضوع پر آئندہ گفتگو کریں گے۔

اس مضمون میں ہم چار عنوانات پر اپنی معروضات پیش کریں گے۔

(1) روح انسانی کی تردید

(2) نفس انسانی کا تعارف

(3) تخلیق انسانی کا طریقہ یعنی مسئلہ ارتقاء

(4) قرآن کریم میں روح کا لفظ بیس (20) مقامات پر آیا ہے۔ روحٍ، روح''، روحی، اور ردحنا استعمال ہوا ہے۔ ہم روح کی پوری پوری وضاحت کرنے کی غرض سے ان تمام آیات کے مفہوم بھی عرض کریں گے۔

قرآن کریم میں روحِ انسانی کا کسی ایک جگہ بھی تذکرہ نہیں ہے۔ البتہ چند وضعی روایات ہیں کہ جن کی وجہ سے ہمارے مفسرین سے اس بارے میں بھول ہوئی ہے۔ آپ پہلے وہ روایات ملاحظہ فرمائیں۔

1۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس کی پشت سے ارواح نکلیں جن کا اللہ تعالیٰ خالق ہے آدم کی اولاد سے قیامت کے دن تک۔ مشکوۃ شریف، باب الایمان بالقدر۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو جس وقت پیدا کیا تو ان کے دائیں شانہ پر ہاتھ مارا جس سے چھوٹی چیونٹیوں کی طرح ان کی ساری گوری نسل نکل پڑی اور بائیں شانہ پر ہاتھ مارا تو کوئلہ کی طرح سیاہ نسل نکل پڑی۔ دائیں طرف والوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ جنت کی طرف جانے والے ہیں اور مجھے ان کی اطاعت کی پروا نہیں اور بائیں شانہ والوں کے متعلق فرمایا یہ دوزخ کی طرف جانے والے ہیں اور مجھے ان کی نافرمانی کی کوئی پروا نہیں۔

(3) اس مضمون کی بہت روایات، کتبِ روایات میں مل جاتی ہیں کہ اللہ نے جب آدم کو پیدا کیا تو اسی وقت آدم کی پشت سے وہ تمام ارواح پیدا کرلیں جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہیں۔ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ یہ کسی ایک وقت میں وقوع

ہونے والے کسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ صورت نہیں ہے۔ روایات کی بناء پر مفسرین نے یہ عقیدہ اپنے ذہن میں پکا کرلیا۔ اس کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کس طرح قرآن کو بھی اس واقعہ میں لپیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارشاد عالی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ (7:172)

ترجمہ: اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کے پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب، بولے ہاں ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے ترجمہ میں تو تحریر فرمایا ''تیرے پروردگار نے آدم کی اولاد کی پشت سے ان کی اولاد پکڑی''۔ یہ ترجمہ بالکل درست ہے۔ لیکن آپ حیران ہوں گے کہ ان ہی شاہ صاحب نے اس کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ''روز میثاق میں آدم سے اس کی اولاد پیدا کی۔'' ترجمہ اور حاشیہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ کھلم کھلا علمی دیانت کے برعکس ہے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ روایات ہیں۔

ہمارے مفسرین عربی ادب کے ماہر اور اس کے امام تھے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ وہ روایات کی وجہ سے کس طرح عربی زبان کی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ میں الفاظ اَخَذَ، اَشْهَدَ، قَالُوْا ماضی کے صیغوں میں آتے ہیں لیکن عربی زبان میں وہ قواعد موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ ماضی کے صیغے مضارع کے معنے میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور قواعد کوئی منتہی کتابوں میں نہیں، علم نحو کی ابتدائی کتابوں میں موجود ہیں۔ ہم ان کو یہاں اس لیے نقل نہیں کرتے کہ اس سے مضمون طویل ہو جائے گا اور وہ قواعد عام قارئین کی دلچسپی کے بھی نہیں ہیں۔ لیکن ہم اس کی مثالیں خود قرآن سے پیش کر دیتے ہیں۔

قرآن میں ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً (23:18)

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا (2:22)

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ:

اَنْزَلَ اور فَاَخْرَجَ دونوں ماضی کے افعال ہیں لیکن ان کا ترجمہ حال میں کرتے ہیں۔ اس کا ماضی کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ نے ماضی کے کسی زمانے میں آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کے ساتھ میووں سے رزق نکالا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ یہ معنی کس قدر غلط ہیں۔ ان ماضی کے افعال کا ترجمہ سنت جاریہ ہونے کی وجہ سے حال میں کیا جاتا ہے۔ آیت کا درست ترجمہ یہ ہے (اے رسولؐ) وہ وقت قابل ذکر ہے جب آپ کا پروردگار بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو پیدا کرتا ہے۔ آیت کے اس درست معنی کی وجہ سے روز میثاق کی پوری طرح تردید ہو جاتی ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات کریمات پیش کرتے ہیں جن سے روح کے عقیدے کی تردید ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بابُ المراسلات

السلام علیکم!

علامہ امین احسن اصلاحی مرحوم کی تفسیر تدبر القرآن (تاریخِ اشاعت نومبر 2009ء) نظر سے گزری اس میں سورۃ الفیل کا درجِ ذیل ترجمہ کر دیا گیا ہے:

''کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تمہارے خداوند نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا! کیا ان کی چال بالکل برباد نہ کر دی! اور ان پر جھنڈ کی جھنڈ چڑیاں نہ بھیجیں۔ تم ان کو مارتے تھے سنگِ گل قسم کے پتھروں سے۔ بالآخر ان کو اللہ نے کھائے ہوئے بھُس کی طرح کر دیا۔''

یہ ترجمہ بالعموم مروجہ ترجموں سے مختلف ہے مثلاً مولانا فتح محمد خان جالندھری کا ترجمہ یوں ہے:

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کیا؟ (گیا) اور ان پر جھلڑ کے جھلڑ (جھنڈ) جانور بھیجے۔ جو ان پر کھنگر کی پتھریاں پھینکتے تھے تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھُس''۔ مندرجہ بالا ترجموں میں فرق جو نمایاں ہے وہ ترمی کے ترجمہ کا ہے۔ علامہ امین احسن اصلاحی اس کا ترجمہ کرتے تھے تو تم ان کو مارتے تھے، اور مولانا فتح خان ترجمہ کرتے ہیں ''جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینکتے تھے یعنی طیراً ابابیل''

علامہ غلام احمد پرویز کا مفہوم القرآن دیکھا تو وہاں ''تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۙ﴿۴﴾'' (105:4) کا ترجمہ دیا گیا ہے ''چنانچہ تم نے پہاڑ پر چڑھ کر ان پر سخت پتھراؤ کیا۔''

ان ترجموں سے ذہن میں خلفشار پیدا ہوا تو میں نے ایک صاحب سے جو طلوعِ اسلام کے پرانے قاری ہیں، اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ پرویز صاحب کا سورۃ الفیل کا ترجمہ رسالہ طلوعِ اسلام بابت ستمبر 1941ء میں شائع ہوا تھا جس پر شفاخانہ دیوبند کے ایک میڈیکل آفیسر نے بڑے تلخ اعتراضات کئے تھے جن کا پرویز صاحب نے مسکت طور پر جواب دیا تھا جو مجلہ طلوعِ اسلام بابت اکتوبر 1941ء میں شائع ہوا تھا۔ قبل از تقسیم کا طلوعِ اسلام تو مطالعہ کے لئے میسر نہیں۔ میری درخواست ہے کہ پرویز صاحب کا 1941ء کا ترجمہ سورۃ الفیل، اعتراضات اور ان کا جواب اگر طلوعِ اسلام میں اب شائع کر دیا جائے تو میرے جیسے پوچھنے والوں کو فائدہ ہوگا۔

از ڈاکٹر پرویز اقبال، بحریہ ٹاؤن، لاہور

محترم ڈاکٹر پرویز اقبال صاحب، آپ کے حکم کی تعمیل کی جارہی ہے نیز سلیم کے نام آٹھواں خط میں دیگر مباحث کے علاوہ ضمناً سورۂ فیل کے مطالب پر بھی گفتگو شامل ہے۔ ہم آپ کی دلچسپی کی خاطر اس خط کا متعلقہ حصہ بھی ذیل میں درج کررہے ہیں۔ مدیر

تفسیر سورۂ فیل

(اعتراض اور اس کا جواب)

محترمی اخوندزادہ صاحب، سلام مسنون۔ ستمبر کے طلوعِ اسلام میں ''سلیم کے نام خط'' میں میں نے ضمناً سورۂ فیل کی تفسیر کے ایک گوشہ کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس کے متعلق ایک صاحب نے کچھ اعتراضات میرے پاس بھیجے ہیں۔ چونکہ ان کی نوعیت ایسی ہے کہ جن حضرات کی نگاہ سے میری توجیہات گزری ہیں ان کے لئے ان اعتراضات اور ان کے جواب سے مطلع ہونا فائدہ سے خالی نہیں۔ اس لئے میں جنابِ معترض کا خط اور اپنا جواب بغرضِ اشاعت بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ آئندہ اشاعت میں درج فرما کر شکر گزار فرمائیں گے۔ والسلام

پرویز

20 ستمبر 1941ء

شفاخانہ دیوبند 9 ستمبر 1941ء:

بھائی صاحب، سلام مسنون۔ ستمبر کے طلوعِ اسلام میں آپ کا جو خط سلیم کے نام شائع ہوا ہے۔ اس میں جناب نے سورۂ فیل کی تفسیر جدید توجیہ کے ساتھ کی ہے۔ اسے دیکھ کر حسب ذیل خدشات پیدا ہو گئے ہیں۔ اُمید کہ جناب بواپسی ڈاک ان کو رفع فرما کر سلیم کی اور ناظرین طلوعِ اسلام کی جو سلیم کے نام کا خط پڑھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں تسلی فرمادیں گے۔

سورہ مذکور کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے اگر غلط ہو تو مطلع فرمائیے گا۔

''کیا نہیں دیکھا کہ کیا کیا تیرے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ؟ کیا نہیں کر دیا ان کی خفیہ تدبیر کو رائگاں؟ اور بھیجے ان کے اوپر پرند جھنڈ کے جھنڈ۔ مارتے تھے ان کو پتھر کنکر سے پس کر دیا ان کو مانند کھائے ہوئے بھوسے کے۔''

ظاہر ہے کہ لفظ ''رَبُّكَ'' بصیغہ واحد حاضر استعمال ہوا ہے۔ ''رَبُّكُمْ'' جمع میں نہیں ہے یعنی تخاطب تنہا رسول سے ہے کسی جماعت سے نہیں ہے۔ اب اگر آپ ''تَرْمِيهِمْ'' میں ترقی کا فاعل ''طَيْرًا اَبَابِيْلَ'' کو نہیں سمجھتے تو 'تم' بصیغہ جمع کو ''ترمی'' کا فاعل کس زبان کے قواعد کے رو سے قرار دیتے ہیں۔ اگر عبارت ماسبق میں تخاطب ہی میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہوتا تو بھی آپ ایسی زبردستی کر سکتے تھے۔ لیکن بصورت موجودہ تو جناب کی یہ اپج اسی نوع کی معلوم ہوتی ہے جس پر طلوعِ

اسلام میں مولانا ابوالکلام کو موردِ الزام ٹھہرایا گیا ہے۔

برائے خدا انداز بیان پر غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مخاطب کر کے بطور اظہار احسان اپنے انعام کا تذکرہ فرماتا ہے اور ''طَیْرًا اَبَابِیْلَ'' کے باب میں لفظ ''اَرْسَلَ'' استعمال ہوتا ہے یعنی بھیجے تیرے رب نے طائر جھنڈ کے جھنڈ جنہوں نے اصحابِ فیل پر پتھر کنکر برسا کر انہیں تباہ کر دیا اور اپنی توجیہ کو دیکھئے کہ پرند خود بخود فوجوں کے ساتھ ہو جایا کرتے تھے اور ''تم'' (نہ معلوم یہ تم اس عبارت میں کہاں سے اور کیسے گھس آیا) نے اصحابِ فیل کو مار کر بھس کر دیا اور سوچئے کہ کیا آپ کی اس توجیہ سے سورۂ فیل کی زوردار عبارت خواہ مخواہ کا احسان ہو کر نہیں رہ جاتی اور نعوذِ باللہ کیا اس سے اللہ میاں کا چھچھورا پن ظاہر نہیں ہوتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ خدا کو مافوق العادت۔ افعال پر قادر سمجھنے سے جھجکتے ہیں اور اس کو قادرِ مطلق فعال لما یرید۔ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جیسا کہ ان الفاظ کے سادہ معنوں سے ظاہر ہے نہیں ماننا چاہتے ہیں۔

قیاس کُن زگلستانِ من بہار مرا۔ کے اصول پر خیال ہوتا ہے کہ معارف میں بھی جناب نے ثعبان موسیٰ وخرق فیل وغیرہ کے متعلق ایسی ہی توجیہات یا تحریفات روا رکھی ہوں گی۔ ایسی صورت میں مولویوں پر الزام فضول ہے۔ وہ بھی اور کچھ نہیں کرتے۔

اس قسم کا لٹریچر۔ حضرت نیاز وغیرہ کی عنایتوں کے باعث اسلام میں پہلے ہی سے موجود ہے آپ کا اضافہ عام مسلمانوں کی مزید پریشانی کا موجب ہوگا۔

معارف القرآن کی خریداری کا شوق سرد ہو گیا ہے۔ چند اور احباب بھی جو اس کے دیکھنے کے متمنی تھے ڈر گئے اور خیال کرتے ہیں کہ کیوں مزید ذہنی الجھنوں میں گرفتار ہو کر اپنے عقائد خراب کریں۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اس کے ماننے میں کیا نقصان ہے بلکہ بعض کی یہ رائے ہے کہ عنقریب آپ کی جماعت علامہ مشرقی کو پیغمبر اور آپ یعنی پرویز صاحب کو خلیفہ مان کر پنجاب میں غلام احمد قادیانی کی مثال کی ازسرِ نو تجدید کرے گی جواب کا منتظر ہوں اُمید کہ جلد ارسال فرما کر ممنون فرمایئے گا۔

نیاز مند، احمد اللہ خاں میڈیکل آفسر دیوبند

محترمی ڈاکٹر صاحب، سلام مسنون، گرامی نامہ مورخہ 9 ستمبر ماجرا نواز ہوا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میری توجیہات کا غور سے مطالعہ فرمایا اور ان پر جو خدشات وارد ہوئے ان سے مجھے متنبہ کیا۔ آپ کے اعتراضات سے میرے اس اطمینان کو مزید تقویت مل گئی کہ بحمدہٖ میری توجیہہ غلط نہیں ہے۔

آپ کے اعتراض کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ الم تر، ربک اور ترمی واحد کے صیغے ہیں ان کو جمع مخاطب کے صیغہ میں کیسے لیا جا سکتا ہے؟ سورہ زیرِ نظر کا ترجمہ کرتے ہوئے میں نے خود حاشیہ میں لکھا ہے۔

---

(1) یہ بحث تفصیل طلب ہے کہ واحد مخاطب کے صیغہ سے مراد جمع مخاطب کیسے لی گئی ہے لیکن ہے یہ قاعدہ کے مطابق۔

''یہ بحث تفصیل طلب ہے کہ واحد مخاطب کے صیغہ سے مراد جمع مخاطب کیسے لی گئی ہے لیکن یہ ہے قاعدہ کے مطابق۔''

(طلوعِ اسلام، بابت ستمبر، فٹ نوٹ)

سو آپ کا ''اعتراض'' فقط اتنا ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کیا ہے؟

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ الم تر (کیا نہیں دیکھا تو نے) میں تخاطب کس سے ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ مخاطب ہیں۔ یعنی حضورؐ سے ارشاد ہے کہ ''اے رسول! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا؟'' بہت اچھا۔ میں مانے لیتا ہوں کہ الم تر کا فاعل ''رسول ﷺ'' ہے تو جو فاعل الم تر کا ہے وہی ترمی کا ہے اس پر تو گرامر کے قواعد کے لحاظ سے کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا! الم تر بھی صیغہ واحد مخاطب مذکر ہے اور ترمی بھی۔ اس لئے جو فاعل الم تر کا ہے وہی ترمی کا ہے۔ لہٰذا ترجمہ یوں ہوا۔

''کیا نہیں دیکھا تو نے (اے رسولؐ) کہ کیا کیا تیرے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ۔ کیا نہیں کر دیا ان کی خفیہ تدابیر کو رائگاں؟ اور بھیجے ان کے اوپر پرند جھنڈ کے جھنڈ۔ تو پھینکتا تھا ان پر پتھر۔۔۔''

اس پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ حضور نے تو ان پر پتھراؤ کیا نہیں تھا (اس لئے کہ یہ واقعہ حضورؐ کی ولادت سے پہلے کا ہے) اس لئے ترمی کا فاعل رسول نہیں ہوسکتا۔ اس مشکل کو اس طرح رفع کیا گیا کہ الم تر کا فاعل تو رسولؐ ہے لیکن ترمی کا فاعل طیر ہے جب طیر (چڑیوں) کو ترمی کا فاعل قرار دیا گیا تو پھر اس کی بھی کوئی صورت نکلنی چاہئے تھی کہ چڑیوں نے کیسے پتھراؤ کیا جس سے ہاتھیوں والی فوج بھس بن کر رہ گئی اس مشکل کا حل یوں پیش کیا گیا کہ وہ چڑیاں اپنے پنجوں اور چونچ میں کنکریاں اٹھاتی تھیں۔ کنکری سوار کے سر میں لگ کر ہاتھی کے پیٹ سے نکل جاتی تھی اس طرح وہ فوج بھس بن کر رہ گئی۔

میں نے یہ عرض کیا ہے کہ اس سورۂ مقدسہ میں جو فاعل الم تر کا ہے وہی ترمی کا ہے اور الم تر میں تخاطب رسول سے نہیں بلکہ اہل مکہ یا قریش سے ہے اگر اس کا ترجمہ واحد مخاطب کے ساتھ کیا جائے تو کہا جائے گا کہ:

''(اے مکی یا جماعت قریش کے فرد!) کیا نہیں دیکھا تو نے کہ تیرے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا تھا؟۔۔۔ تو نے ان پر پتھراؤ کیا۔۔۔''

اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایک فرد کی وساطت سے تمام جماعت کو مخاطب کیا گیا ہے تو کہا جائے گا:

''(اے اہل مکہ، یا اے قریش!) کیا نہیں دیکھا تم نے کہ تمہارے رب نے۔۔۔ تم نے ان پر پتھراؤ کیا۔۔۔''

میں نے اس مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ قرآن کریم میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں تخاطب واحد کے صیغہ میں ہے لیکن مفہوم جمع ہے دو ایک عرض کئے دیتا ہوں۔

سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡہِبۡکُمۡ وَیَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿۱۹﴾
(14:19)

کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ نے زمین اور آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور لے آئے نئی خلقت۔

اَلَمۡ تَرَ واحد مخاطب ہے اور ''یُذۡہِبۡکُمۡ'' کی ضمیر جمع مخاطب کی ہے۔ اس لئے اگرچہ اَلَمۡ تَرَ میں تخاطب ایک فرد سے ہے، لیکن مراد پوری نوع ہے۔

سورۂ حج میں ہے:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ وَالۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ؕ (22:65)

کیا نہیں دیکھا تو نے کہ اللہ نے مسخر کر دیا واسطے تمہارے جو کچھ زمین میں ہے اور کشتیوں کو کہ جو اس کے حکم سے دریا میں چلتی ہیں۔۔۔

''اَلَمۡ تَرَ'' واحد کا صیغہ ہے اور اس کے بعد لکم کی ضمیر جمع مخاطب کی ہے۔ اس لئے ''اَلَمۡ تَرَ'' سے بھی جمع مخاطب ہی مراد ہے۔

سورۂ الفرقان کا پانچواں رکوع ''اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ'' (25:45) (کیا نہیں دیکھا تو نے اپنے رب کی طرف) سے شروع ہوتا ہے اور اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ وَہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الَّیۡلَ لِبَاسًا۔۔۔ (25:47) (اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا)۔

عدم گنجائش مانع ہے۔ ورنہ اس قسم کی بیسیوں آیات پیش کی جاسکتی ہیں جن میں تخاطب واحد سے ہے لیکن مراد جمع ہے اس کے برعکس سورۂ البقرۂ کے تیرھویں رکوع میں دیکھئے۔ ابتدائے کلام میں تخاطب جمع ہے ''یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا'' (2:104) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا) اور اس کے بعد اس سلسلہ میں ہے ''اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیۡرٍ ﴿۱۰۷﴾'' (2:107) (کیا تو نہیں جانتا کہ زمین اور آسمان کی بادشاہت اللہ ہی کے لیے ہے اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہیں) غور فرمائیے۔ ابتداء میں تخاطب جمع سے ہے درمیان میں ''اَلَمۡ تَعۡلَمۡ'' واحد کا صیغہ ہے اس کے بعد ''لَکُمۡ'' میں پھر ضمیر جمع کی استعمال کی گئی ہے۔ اس قسم کی بھی کئی ایک مثالیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔

ان مثالوں سے آپ نے غور فرما لیا ہوگا کہ واحد مخاطب کے صیغہ سے جمع مراد لے لینا میری ''اپج'' نہیں ہے۔ قرآن کریم کا اسلوب ہے۔ نہ ہی یہ ''زبردستی'' ہے بلکہ قرآن ہی کے قاعدہ کی اتباع ہے اس لئے میرے نزدیک ''اَلَمۡ تَرَ'' (سورہ فیل) میں اگرچہ خطاب واحد سے ہے لیکن قرآن کریم کے اسلوب کی رُو سے مراد جمع ہے یعنی اہل مکہ یا قریش اور انہی کے

لیے میں نے اپنے ترجمہ میں تم کا لفظ لکھا ہے۔

لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ''اَلَمْ تَرَ'' (سورۂ فیل) میں تخاطب رسول سے ہے تو بھی اس سے مفہوم جمع ہی ہے یعنی رسول کی وساطت سے اہل مکہ یا قریش کو مخاطب کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی بھی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ تخاطب رسولؐ سے ہے لیکن اس سے مراد عام تخاطب ہے۔ مثلاً سورۂ طلاق کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ (65:1)

اے نبیؐ! جس وقت طلاق دو تم عورتوں کو پس طلاق دو تم ان کو ان کی عدت کے وقت اور گنو تم عدت کو اور ڈرو اللہ اپنے رب سے۔

خطاب واحد ہے۔ مخاطب نبی ہے لیکن اس کے بعد تمام صیغے جمع مخاطب کے ہیں اور جمع کے صیغوں کے بعد آیت کے اخیر میں ہے۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ① (65:1)

نہیں جانتا تو کہ اللہ پیدا کر دے پیچھے اس کے کوئی بات۔

یہاں پھر واحد مخاطب کا صیغہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان تمام احکام کا تخاطب عام ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ تیسرا رکوع یوں شروع ہوتا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ㉓ (17:23)

اور تیرے رب نے حکم کیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبودیت اختیار نہ کرو۔ اور ماں باپ سے احسان کرنا۔ اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف نہ کہہ یعنی انہیں مت جھڑک اور ان سے تعظیم سے بات کر۔

دیکھئے۔ تخاطب واحد سے ہے (رَبُّكَ) لیکن اس کے لئے فعل (تَعْبُدُوْٓا) جمع کے صیغہ میں ہے۔ پھر عندک کی ضمیر واحد کی ہے اور اس کے بعد کے افعال بھی واحد ہیں۔ لیکن ان کے بعد ربکم (17:25) میں ضمیر جمع کی ہے۔ ظاہر ہے کہ (وَقَضٰى رَبُّكَ) میں نبی اکرم ﷺ سے خاص تخاطب نہیں بلکہ حضور ﷺ پر تو اس حکم کا اطلاق ہی نہیں ہوتا۔ حضورؐ کے والدین تو بہت پہلے انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے (رَبُّكَ) میں تخاطب عام ہے اس لئے تَعْبُدُوْٓا میں جمع کا صیغہ ہے۔ پھر واحد کے صیغوں سے بھی مراد جمع ہی ہے جیسا کہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ (17:25) سے ظاہر ہے۔ اسی سورہ میں ذرا آگے جا کر ایک اور آیت ہے جس میں یہ مفہوم اور بھی نمایاں طور پر سامنے آ گیا ہے فرمایا:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ (17:39)

یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کیا ہے اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود مت ٹھہرا کہ تو دوزخ میں ڈالا جائے ملامت کا مستوجب اور ٹھکرایا ہوا۔

اس میں مخاطب واحد ہے اور آیت کے پہلے حصہ سے ظاہر ہے کہ تخاطب خود رسول سے ہے لیکن آیت کے دوسرے حصہ میں مخاطب واحد نہیں ہوسکتا۔ رسولؐ کی وساطت سے عام تخاطب ہے۔

گذشتہ سطور سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآن کریم میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن میں:

(1) واحد مخاطب سے مراد جمع مخاطب ہے اور

(2) رسول ﷺ کو مخاطب کر کے حکم عام دیا گیا ہے اس لئے رسولؐ سے تخاطب بھی عام تخاطب ہے۔

اس لئے سورۂ فیل میں اگر ''اَلَمْ تَرَ'' کا فاعل ایک مکی یا قریشی لیا جائے تو بھی اس سے مراد تمام جماعت (اہل مکہ یا قریش) ہے اور اگر اس کا فاعل رسولؐ لیا جائے تو بھی تخاطب عمومی ہے ان دونوں صورتوں میں مخاطب وہ طبقہ ہے جو اس وقت سامنے تھا۔ لہٰذا ترمی کا فاعل بھی وہی طبقہ (یعنی اہل مکہ یا قریش) ہے قریش سے تخاطب دو نہج سے ہوسکتا ہے یا تو انہیں زجر و تنبیہہ کی گئی ہے کہ تم اپنی قوت کے گھمنڈ پر رسولؐ اور (بظاہر) کمزور مسلمانوں کی مخالفت کرتے ہو حالانکہ تم نے ابھی کل ہی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ اتنی بڑی قوت کے مالک (ابرہہ) سے خدا نے کیا کیا؟ اس نہج کی تائید اس سورہ سے پہلی سورہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ (جیسا کہ میں نے لکھا ہے) قریش سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہیں یہ خوف نہیں ہونا چاہئے کہ اسلام لانے سے ملحقہ قومیں ہجوم کر کے تمہیں برباد کر دیں گی تم نے دیکھا ہے کہ رب کعبہ نے ابھی کل ہی اپنی نصرت سے کس طرح اپنے گھر کی حفاظت کی تھی! اس کی تائید اس سورہ کے بعد والی سورہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔

(''سلیم کے نام'' کا متعلقہ حصہ)

اب تمہارا 3 جولائی کا خط میرے سامنے ہے۔ سورۃ فیل کے صحیح مطالب سمجھنے میں جو وقت تمہیں پیش آ رہی ہے وہ عام ہے۔ تمہیں سے مختص نہیں ہے۔ عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ ''ابابیلوں'' نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں۔ پنجوں اور چونچوں میں اٹھا کر پھینکیں۔ یہ کنکریاں سوار کے سر میں گھس کر ہاتھی کے پیٹ سے نکل جاتی تھیں۔ یوں وہ تمام فوج تباہ کر دی گئی۔ اس مفہوم کی علت یہ ہے کہ اس سورۂ مقدسہ کے ایک لفظ (ترمیہم) کا غلط مفہوم سامنے آ گیا جس پر غلط روایات کی عمارت قائم ہوگئی اور وہی روایات رواج پذیر ہوگئیں۔ اسی ایک لفظ کے مفہوم کی درستی سے سارا مطلب واضح ہوجاتا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ تل کی اوٹ میں پہاڑ ہے۔ جزئی تفاصیل میں جانے کے بغیر یوں سمجھو کہ اہلِ مکہ کی ایک مخالف قوت (ابرہہ) نے چاہا کہ

قریش پر حملہ کیا جائے لیکن اس انداز سے کہ حملہ اچانک ہو اور قریش کو بے خبر جا پکڑا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے ایسا راستہ اختیار کیا کہ وہ وادیوں میں چھپتا چھپاتا مکہ تک آ پہنچے اور فوج کے مہیب ہاتھی انہیں کچل ڈالیں۔ یہ تھی اس کی خفیہ تدبیر (کید) اس تدبیرے کے مخفی رکھنے کے لئے اس نے پورا پورا اہتمام کرلیا۔ لیکن مشیت کا منشاء اہل مکہ کو بچانا تھا۔ اس لئے اس مہم میں ایک ایسی کڑی ساتھ جا لگی جس سے یہ تمام اسکیم ناکام ہو کر رہ گئی جس زمانہ میں بارود اور بم زمین کے ساتھ آسمان کو بھی آتش زار نہیں بنایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے لاش خور پرندے، مثل گدھ، چیل، فوجوں کے ہمراہ ہو جاتے۔ جونہی کوئی فوج نقل وحرکت کرتی یہ اپنی خداداد فراست سے اندازہ کر لیتے کہ اب رزق کا سامان پیدا ہونے لگا ہے۔ ہاتھیوں والی فوج نے اپنی نقل وحرکت کو اہل مکہ سے چھپائے رکھا لیکن ان پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ (طیراً ابابیل، ابابیل کے معنی جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔ نہ کہ وہ ''ابابیلیں'' جو سرِشام ہمارے ہاں اڑتی پھرا کرتی ہیں) اس فوج پر منڈلاتے ہوئے ساتھ ہوئے اور یوں زمین کی مخفی تدبیر کا راز آسمان کے پرندوں نے کھول دیا۔ اہل مکہ جانتے تھے کہ اس قسم کے پرندوں کی ایسی پرواز کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ وہ اس دھوئیں سے نیچے کی آگ کا پتہ پا گئے اور پہاڑیوں پر چڑھ کر ایسا پتھراؤ کیا کہ فوج کا ہاتھیوں سمیت بھرکس نکل گیا۔ قرآن کریم نے اہل مکہ کو اس واقعہ کی یاد دلائی ہے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ اسلام دنیا بھر کے نظریات کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔ قریش کو یہ خوف بھی دامنگیر تھا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کرلیا تو اردگرد کی تمام قوتیں ہجوم کر کے آ جائیں گی اور کچل ڈالیں گی۔ ان کا یہ خوف دور کرنے کے لیے ایک ایسے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ابھی کل ان کی آنکھوں کے سامنے رونما ہوا تھا۔ ان سے کہا گیا کہ جس خدا نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ ایسی مہیب فوج کی خفیہ تدبیریوں خاک میں ملا دے۔ کیا وہ تمہیں ان مزعومہ خطرات سے محفوظ نہ رکھ سکے گا؟ (سورۂ فیل سے اگلی صورت میں قریش پر خدا کے انہی انعامات کا ذکر ہے)۔ اس تصریح کے بعد اس سورت کی آیات پر نگاہ ڈالئے۔ بات واضح ہو جائے گی فرمایا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝١ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝٢ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۝٣ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝٤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝٥

ترجمہ: کیا (1) تم نے (اے قریش) نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کی (مخفی) تدبیر کو اس نے بیکار نہیں کر دیا تھا؟ یعنی ان پر فوج در فوج پرندے بھیج دیئے۔ تم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ آخر انہیں ایسا کر دیا جیسا کھانے کا بھس۔

تَرْمِيْهِمْ کے معنی یہ لئے گئے کہ پرندوں نے ان پر پتھراؤ کیا۔ اور اسی تل کی اوٹ میں سارا پہاڑ آ گیا۔ حالانکہ اس کے معنی صاف ہیں کہ تم نے ان پر پتھراؤ کیا۔ اُمید ہے اب بات واضح ہو گئی ہو گی۔

❁❁❁❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں فکرِ قرآنی سے کیسے متعارف ہوا؟

آج کا دور سوشل میڈیا کا عہد کہلاتا ہے۔ پاکستان میں خاص طور پر فیس بک نسبتاً زیادہ مقبول ہے۔ محترم عطاء الرحمٰن بخاری صاحب نے اپنے فیس بک پر ایک سوال پوچھا کہ احباب فرداً فرداً بتائیں کہ وہ طلوع اسلام یا پرویز صاحب کے فکرِ قرآنی سے کیسے متعارف ہوئے۔ اپنی اپنی کہانی بتانے والے احباب کا تانتا بندھ گیا۔ ذیل میں کچھ احباب کے فکرِ قرآن سے متعارف ہونے کی کہانی درج کی جارہی ہے۔ اُمید ہے قارئین طلوعِ اسلام کو پسند آئے گی۔ یہ اِن دوستوں کی ذاتی آراء ہیں ان سے ادارہ کا مکمل اتفاق ضروری نہیں ہے۔

مجاہد علی، رحیم یار خان:

اگر ان کی مرتبہ کتاب مقام حدیث نہ پڑھتا تو میں آج بھی کٹر فرقہ پرست ہوتا اس کتاب نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا تھا۔ اسکے بعد عقل کا استعمال کرنے لگا۔ آج جس مقام پر ہوں پرویز صاحب کی اسی کتاب کی وجہ سے ہوں۔ اگر وہ کتاب نہ پڑھی ہوتی تو اتنی تحقیق میں نہ جاتا۔

راشد محمود، دوبئ:

فیس بک پر ان کا ایک چھوٹا سا کلپ سنا۔ لگا کہ یہ انسان الگ ہے۔ بس وہیں سے آغاز ہوا۔ جیسے جیسے ان کے درس سنے دماغ میں سوالات کا انبار حل ہوگیا۔۔۔ مزید اچھے دوست ملے جنہوں نے رہنمائی کی۔ تو الگ نظر سے قرآن کی روشنی اور زندگی کی طرز کو سمجھنے اور عمل میں لانے کی کوشش میں ہوں۔

بخت مند زیب، سوات:

جس طرح روایت پرستی میں مسعود احمد بی ایس سی صاحب کی تصانیف مکمل و مدلل ہیں اسی طرح پرویز مرحوم کی تصانیف قرآنی فکر کے حوالے سے مکمل و مدلل ہیں۔

ندرت کار، فیصل آباد:

پرویز صاحب میرے آئیڈیل ہیں۔

محمد صدیق:

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی کتابیں عقل و شعور کو جلا بخشتی ہیں اور انسان کی فکر روایتی انداز سے ہٹ کر ایک نئی

جہت سے روشناس ہوتی ہے۔

ظاہر خان، کوئٹہ:

چچا جان کا احسان ہے جو پرویز صاحب کی کتابیں پڑھتے تھے۔ آڈیو، ویڈیو لیکچرز بھی پاس تھے اور ہر وقت قرآن اور پرویز کی باتیں کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں حیران ہو جاتا کہ اُن کی باتیں سن کر خاندان والے اور مسجد کے مولوی صاحب جو کہ پٹھان بھی ہے۔ اسے دیکھ کر ایسے بھاگ جاتے جیسے شیر نے دھاڑا ہو اور چچا کی دلیل مجھ کو اچھی لگتی تھی۔ اس سے ابتداء ہوئی اور آج تک قرآن پڑھتا رہا۔ ایم اے بھی کر لیا نوکری بھی کی کاروبار بھی کیا۔ زمانے کا حال قرآن کی رُو سے پرویز صاحب نے جو پیش کیا ہے اس سے اچھا فی الحال ہمیں نہیں ملا اور چچا جان کہتے ہیں قرآن کے علاوہ مرتے دم تک سہارا نہیں ملے گا۔ خیر یہ ایک لمبی داستان ہے۔

بھدرز، گجرات:

پرویز صاحب کو پڑھ کر مجھ میں تجسس اور تحقیق کا جذبہ بیدار ہوا۔

خادم حسین، ملتان سٹی:

میرا حال تو بہت عجیب تھا۔ میرا گھرانہ تو اہل سنت سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر کچھ سال گزارنے کے بعد درباروں اور پیروں سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی تو اہل حدیث کی کتب پڑھنے کو مل گئیں تو میں اہل حدیث ہو گیا۔ اب مجھے گھر والے وہابی کہنے لگے۔ اور میری شادی بھی ایک نام نہاد اہل حدیث کے گھر ہو گئی۔

وقت گزرتا رہا۔ میرے پانچ بچے ہو گئے۔ میں اہل حدیث کی کارستانیاں دیکھ کر ان سے بدظن ہو گیا۔ میں مزید پانچ سال تک کسی مذہب سے مطمئن نہ ہوا۔ آخر میں ساہیوال کا علاقہ چھوڑ کر ملتان اپنے آبائی شہر میں سیٹل ہو گیا۔

مزید وقت گزرا تو بچوں کی شادی کا مسئلہ سامنے آ گیا۔ اس دوران میں دیوبند جماعت میں چل نکلا کہ چلو یہ ایک اللہ کی بات کرتے ہیں اور ان کے ساتھ وقت گزارتا رہا۔ دو بچوں کی شادی کر دی وہ بھی اہل حدیث سے تعلق رکھتے تھے۔ اب وہ ماحول بنا کہ یہ اہل حدیث دیوبندیوں سے لاگت بازی کرتے اور اکثر ایسی حدیث سامنے آتی جس کو دل نہیں مانتا تھا اور میرے تاویلاً انکار نے میرے گھر میں ہی فساد کھڑا کر دیا۔

مجھے قرآن سے شروع دن سے لگاؤ تھا اور ترجمہ بڑے غور و فکر سے سنتا تھا۔ اب دیوبند تبلیغی جماعت ہے تو ان کے ساتھ تین دن کے لئے چلا گیا۔ وہاں پر سبز پگڑی والے بھی تھے مگر یہ لوگ ان کے پاس تبلیغ کرنے کے لئے نہیں جاتے تھے۔ میرے کہنے پر امیر جماعت نے کہا کہ تم ابھی نئے ہو تمہیں نہیں پتا۔ کیوں ہماری لڑائی کرانا چاہتے ہو۔ میں خاموش ہو گیا۔ واپس آئے تو ہم نے مسجد کے قاری کو کہہ کہلوا کے قرآن کا درس صبح کی نماز کے بعد شروع کروا دیا۔ ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ امیر جو مسجد کا تھا اس نے درس قرآن بند کروا دیا۔ بہت دکھ ہوا ہم پانچ چھ آدمیوں نے احتجاج کیا مگر مخالفت بڑھتی گئی۔ نہ صرف یہ کہ درس قرآن شروع نہ ہوا بلکہ قاری کی بھی چھٹی کروا دی گئی اور میں نے بھی ان سے لنک ختم کر دیا۔

اب گھر کی پریشانی نے مزید سر اٹھایا۔ میں اکثر سوچتا کہ یار بات قرآن کے مطابق کرتا ہوں مگر کوئی میری بات مانتا ہی

نہیں۔اس دوران ایک دوست ملا اس کے ساتھ بات کی کہ بھائی مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کوئی مشورہ دو۔تو اس نے اپنی طرف سے سمجھایا مگر مسئلہ حل نہ ہوا۔

بڑے بیٹے نے ٹچ موبائل لیا اور کچھ ماہ چلانے کے بعد مجھے دے دیا اور خود دوسرا موبائل لے لیا۔ یوں میرا رابطہ انٹرنیٹ سے ہوگیا۔اُس وقت میری عمر 48 سال کو پہنچ گئی۔ایک دن میرے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوئی تو اس نے مجھے علامہ پرویز صاحب کا بتایا۔تو میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ مجھے علامہ پرویز صاحب کا ''مفہوم القرآن'' انٹرنیٹ سے نکال کے دو۔تو اس نے میری مدد کی اور علامہ غلام احمد پرویز کا ''مفہوم القرآن'' پی ڈی ایف لوڈ کر دیا اور میں نے اسکو پڑھنا شروع کیا۔جیسے جیسے میں پڑھتا گیا ساری الجھن ختم ہوتی گئی۔ساتھ گھر والوں کو بھی سناتا رہا۔ بیٹوں کے ساتھ ڈسکشن بھی کرتا رہا۔اس سے یہ ہوا کہ میرے گھر کا ماحول بھی ٹھیک ہوتا گیا۔تقریباً چھ ماہ بعد حالت ہی تبدیل ہوگئی۔

اب ماشاءاللہ چار سال سے بہت خوش وخرم ہیں۔ پورے گھر کا اتحاد قائم ہوگیا ہے۔اب ہمارا کسی فرقہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔میرے بیٹے اور بیٹی بھی مطمئن ہیں۔ بہت اچھا ماحول بنا ہوا ہے۔اب میری کوشش یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس کو پڑھ کے اپنی زندگی کو خوش گوار بنالیں۔ بات کچھ لمبی ہوگئی ہے مگر میں زندگی کے اس حصہ میں بہت مطمئن ہوں۔

عبدالحق، ڈیرہ غازی خان

جب سے علامہ پرویز صاحب کو پڑھا اور سنا تب سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں۔ان مولوی حضرات کی کہانی سمجھ میں آنے لگی ہے۔

محمد ابراہیم، گجرات:

الفاظ نہیں ہیں میرے پاس کہ بیان کروں۔۔

ان کی بکس اور خاص کر مطالب الفرقان پڑھ کر محسوس ہوا کہ میں اس سے پہلے واقعی مسلماں تھا کہ۔۔۔؟ میں نے ان کی بکس پڑھیں اور اپنی زندگی میں تبدیلی لائی۔میں تو قرآن ناظرہ ثواب سمجھ کر پڑھتا رہا۔ان کی تعلیم سے پتا چلا کے یہ قوانین کی عملی کتاب ہے۔وہ ولی اللہ تھے۔اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔۔

میرے والد صاحب مجھے ان کی بکس نہیں پڑھنے دیتے تھے۔وہ دیوبندی تھے۔ایک دن میں نے ان کو بابا جی کے درس کی ویڈیو سنائی۔کہنے لگے کہ یہ بندہ سچ کہہ رہا ہے۔یہ کون ہے میں نے ان کو نہ بتایا۔جتنی ویڈیوز تھیں سب سنائیں اور پھر بتایا کہ یہ وہی ہیں جن کی بکس پڑھنے سے آپ روکتے ہیں۔پھر انہوں نے مجھے کبھی نہیں روکا۔میں نے ان کی تفسیر قرآن پڑھی اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ جب اس دنیا سے آخرت کی طرف گئے تو مسلماں بن کر گئے۔۔

جاوید رانا، لاہور:

جب سے میں نے علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی زندگی بدل دینے والی کتاب ''مقامِ حدیث'' پڑھی تو ثواب اور گناہ کے عذاب سے نجات پانے کے بعد مجھ پر مذہب اور دین کا فرق آشکار ہوگیا۔میں تاحیات علامہ پرویز رحمۃ اللہ علیہ کا احسان مند رہونگا!

مبشر عنایت، ٹورانٹو (کینیڈا):

After reading Parwez Sb my reverence for so called islamic history (written hundreds of years after the blessed Messenger) was gone! I realized there are a lot of fabrications in our "sacred" history.

محمد ابراہیم، گجرات:

میرا کسی فرقے سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر ایک التجا ہے جو راہ راست پر آنا چاہتا ہے وہ ایک بار پرویز صاحب کی بک ''مطالب الفرقان'' پڑھے۔ ذہن سے سب بت نکال کر میں سب سے ڈس کس کرتا ہوں۔ ایک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ پرویز صاحب ٹھیک ہیں۔ مگر لوگ ڈرتے ہیں۔ بچپن کے بت ذہن سے نکالنا بڑا مشکل ہے۔ یہ وہی کر سکتے ہیں جن کا قلب سلیم ہو۔ سوچنا آپ سب۔۔۔ شکریہ

محمد نعیم، حضرو (اٹک):

میرے والد محترم علماء دیوبند سے بہت محبت کرتے تھے اور میں نے بھی بچپن سے یہی سمجھا تھا کہ صرف دیوبند مسلک ہی اصل اسلام ہے۔ ہم لوگ دوست رشتہ دار باقی سب مسالک کی جہالت و گمراہی پر ہنستے تھے اور ان سب کو گمراہ سمجھتے۔

میں نے سوچا کہ جیسے ہم ان کو گمراہ سمجھتے ہیں ویسے ہی وہ ہم کو گمراہ کیوں سمجھتے ہیں؟

میں نے اپنے فرقے پر شک کیا کیوں کہ ہم دیوبندیوں کی نسبت ان کا اخلاق مجھے بہتر لگتا تھا۔ پھر میں نے ان کی کتابیں پڑھیں تو مجھے دیوبندی قدرے بہتر لگے۔

ایک دن ہمارے ایک دور کے چچا دبئی سے آئے اور کہا کہ ان دیوبندیوں میں بھی شرک و بدعت موجود ہے۔ اصل مسلک اہل حدیث ہے۔

مجھے اہل حدیث مسلک میں دلچسپی ہوئی اور میں ان سے متاثر ہوا۔ ایک دن چچا نے ان کی دعوت کی۔ کھانا دسترخوان پر لگایا۔ 4 ٹاپ کے علماء کرام کھانا تناول فرمانے تشریف فرما ہوئے۔ ان کے ساتھ ایک طالب علم بھی بیٹھ گیا جو قدرے غریب لگ رہا تھا۔ کھانے کے دوران علماء باتیں کر رہے تھے۔ اچانک قہقہہ گونجا۔ ایک عالم صاحب طالب علم کو کہہ رہے تھے تھوڑا کھاؤ نہیں تو چیونیاں چپک جائیں گی۔ اس بات پر سب کھلکھلا کر ہنسے اور طالب علم کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اس نے کھانے سے ہاتھ روک دیا تو عالم صاحب نے فرمایا: کھالیا تو میری ڈائری لے آؤ۔

وہ جب اٹھا تو میرا دل ریزہ ریزہ ہو گیا۔ میں سب مسالک سے مایوس ہو گیا۔ اس کے بعد ہر مذہب کو پڑھا۔ سب ہی اپنی اپنی خوبیاں بیان کرتے۔ لیکن کسی میں احترام انسانیت نہیں دکھا۔

جب سوشل میڈیا کا دور آیا تو میں الحاد کی طرف جانے ہی والا تھا کہ پرویز صاحب کی ایک وڈیو دیکھی۔ اس کے بعد دوسری۔۔۔ تو بہت متاثر ہوا۔ پھر روز ان کو سنتا۔

اس طرح اصل اسلام کو میں نے پالیا اور اب میں بہت فخر سے کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔

سلیم چوہدری، لاہور:

جو کام پرویز صاحب نے اپنی کتاب نظامِ ربوبیت میں کر دیا اُس سے تمام فرقوں کے مفادات کو زد پہنچی۔ قرآن کی روشنی میں زائد از ضرورت دولت کا تصور ختم کر دیا۔

طارق محسود، اسلام آباد:

میں نے اب تک پرویز صاحب کی جن کتب (من و یزداں، ابلیس و آدم، کتاب التقدیر، جوئے نور، سلیم کے نام خطوط جلد اوّل، شاہکار رسالت اور مفہوم القرآن) کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے میری قرآن کے ساتھ عقیدت اور محبت میں جنون کی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ ان کتب میں دلائل کے ساتھ قرآن کے حقائق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کئی ایسے سوالوں کے جوابات بھی ملے جو برسوں سے میرے ذہن میں گردش کر رہے تھے۔

امان اللہ، سرگودھا:

انسانیت کی قدر، انسانیت کا درد، ہر قسم کے خوف سے آزادی، تحقیق، غور و فکر اور دین اسلام کا حقائق و دلائل کی صورت میں ملنا بابا جی کی وجہ سے ممکن ہوا اسلامتی ہو بابا جی پر اور ان کا اگلا مقام بلند سے بلند تر ہو۔

عظیم حسن، گوجرانوالہ:

مجھے سر اٹھا کر جینا سکھایا اس مردِ قلندر نے۔ اب مجھے کسی سے ڈر نہیں لگتا اور نہ ہی کوئی پچھتاوا ہے۔

نعمان حمید، میانوالی:

پرویز صاحب کی کتاب ''قرآنی فیصلے'' پڑھنے کی وجہ سے فرقوں سے الگ ہو گیا۔

روحان انور عالم، ایبٹ آباد:

اگر میں جناب پرویز صاحب کی ''کتاب القدیر'' کو نہ پڑھتا تو آج میں جہالت کے اندھیروں میں ہوتا۔

محمد اقبال، کراچی:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

پرویز علیہ رحمہ نے قرآن کو قرآن سے سمجھنے کا سلیقہ تصریفِ آیات سکھا کر زندگی آسان کر دی۔ صرف ایک اللہ کی طرف رخ موڑ دیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

محمد یوسف، لاہور:

پرویز صاحب کو پڑھ سن کر سب سے پہلے مولوی پیر اور فرقوں اور انکے اختلافات سے جان چھڑانے میں کامیابی ملی۔ اب کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوا جائے۔

پروفیسر عاطف، لاہور:

جناب پرویز صاحب کو سن کر پڑھ کر بیزار روح کو سکون ملا۔

عمران کھوکھر، اسلام آباد:

کافی عرصہ پہلے میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ مضمون دل کو چھو رہا تھا۔ اچانک ایک پیج پلٹا تو ایک کتاب میں اشتہار تھا۔ مصنف کا نام پرویز پڑھ کر میں گھبرا گیا۔ سنا تھا کوئی کافر بندا ہے۔ یار دوستوں نے پڑھنے سے منع کر دیا۔ تجسس سے مجبور ہو کر جب پڑھنے لگا تو دنیا بدل گئی۔ بہت سی فضول رسومات سے بچ گیا۔

حسن پیرزادہ ایڈووکیٹ، علی پور فقیراں، قصور:

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

امام فکرِ قرآنی علامہ غلام احمد پرویزؒ۔ تقریباً ایک ہزار سال سے اسلام کی کشتی تفاسیر و تراجم، احادیث و روایات، تاریخ و تصوف وغیرہ کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی، اس کے ساتھ ساتھ اس کشتی پر ملوکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے گہرے طوفانی بادل بھی چھائے ہوئے تھے. جہالت تھی کہ دیمک کی طرح اس کشتی کو کھائے جا رہی تھی۔ اس پر سوار لوگوں کی کثیر تعداد ان تمام حالات میں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر چکی تھی، چند ایک جو پریشان حال تھے، وہ ناامید ہو چکے تھے، ہر طرح کی آس دم توڑ چکی تھی، زندگی کی رمق ختم ہو چکی تھی، ڈوبنے کے سوا اب کوئی دوجا راستہ نہ تھا۔

ایسے میں ایک مردِ خود آگاہ و خدا مست قرآنِ کریم کی روشن درخشاں مشعل لے کر اٹھا اور اسلام کو ملوکیت اور سرمایہ داری کے اندھیرے بادلوں سے نکال لایا، اسلام کو غیر حقیقی، غیر منطقی اور غیر سائنسی علوم کے بحرِ سیاہ سے نکال کر قرآن کریم کے ساحل پر لے آیا، جس نے اسلام کو قرآن کریم کا لنگر عطا کیا، جس نے اسلام کو دیمک زدہ ذہنوں کی غیر فطری تاویلوں سے آزادی دلا کر اسے پھر سے پیغمبرانہ قالب میں ڈھالا۔ جس نے علم کی ایسی شمع روشن کی جو رہتی دنیا تک خدا کے متلاشیوں کے لئے آفتاب عالم تاب کا کام دے گی۔ لاکھوں کروڑوں سلام ہوں اس روشن قلب و نگاہ رکھنے والے فرزند اسلام پر، خدا تعالیٰ ان کو ابدی راحتیں عطا فرمائے، آمین

ظفر علی، کوہاٹ (KPK):

قرآنی فکر کو جس شرح و بسط اور گہرائی و جامعیت کے ساتھ پرویز صاحب نے پیش کیا شاید ہی کوئی پیش کر سکا ہو۔

محمد اویس، کراچی:

قرآن کیا ہے۔۔؟ قرآن کا مقصد کیا ہے۔۔؟ قرآن مجھ سے کیا چاہتا ہے۔۔۔؟

ان سوالوں اور ان جیسے دیگر سوالات کے جوابات پرویز صاحب نے بہت واضح طور پر دیے ہیں۔

عمران مرزا، لاہور:

علامہ پرویز صاحب ایک عظیم مفکر تو تھے ہی لیکن وہ ایک عظیم انسان بھی تھے۔ کبھی اپنے عظیم الشان کارناموں پر داد لینے کی آرزو کی اور نہ اس کی تشہیر کی۔

محمد ابراہیم، گجرات:

الفاظ نہیں ہیں میرے پاس کہ بیان کروں ان کی بکس اور خاص کر مطالب الفرقان پڑھ کر محسوس ہوا کہ میں اس سے

پہلے واقعی مسلمان تھا کہ میں نے ان کی بکس پڑھیں اور اپنی زندگی میں تبدیلی لائی۔ میں تو قرآن ناظرہ ثواب سمجھ کر پڑھتا رہا۔ ان کی تعلیم سے پتا چلا کہ یہ قوانین کی عملی کتاب ہے۔ وہ ولی اللہ تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔۔

میرے والد صاحب مجھے ان کی بکس نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ وہ دیوبندی تھے۔ ایک دن میں نے ان کو بابا جی کے درس کی ویڈو سنائی۔ کہنے لگے کہ یہ بندہ سچ کہہ رہا ہے۔ یہ کون ہے میں نے ان کو نہ بتایا۔ جتنی ویڈیوز تھیں سب سنائیں اور پھر بتایا کہ یہ وہی ہیں جن کی بکس پڑھنے سے آپ روکتے ہیں۔ پھر انہوں نے مجھے کبھی نہیں روکا۔ میں نے ان کی تفسیر قرآن پڑھی اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ جب اس دنیا سے آخرت کی طرف گئے تو مسلمان بن کر گئے۔۔

علامہ پرویز صاحب کی کہی ہوئی باتوں کی وجہ سے آج لوگ قرآن کی طرف آرہے ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ ایک دن یہ ارضِ پاک قرآن کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔ لوگ ان مذہبی سحر کاریوں کی حقیقت کو جان جائیں گے۔ پرویز صاحب رح نے جو قرآن کی شمع اس اندھیرے میں روشن کی تھی وہ ارض پاک میں ہر جگہ روشنی دے رہی ہے اور ایک دن قرآن عظیم کی پاک روشنی سے یہ ارض پاک جگمگا اٹھے گا۔ جب حق آتا ہے تو باطل بھاگ جاتا ہے۔

اللہ سے التجا ہے کہ مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویز کی محنت کوشش اور انکی قرآن کی تعلیم کے اثرات اس دنیا اور ارض پاک میں ثمر بار ہوں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائیں۔

علی کاشف، گجرات:

With all differences of opinion, Parwez sahib's love and effort for Allah's Message can't be ignored. May Allah bless him and grant him eternal place in jannah! He was a true lover of Muhammad (SAWS) the Messenger of Allah.

آصف رضا، کراچی:

علامہ پرویز صاحب عظیم استاد اور مجاہد تھے۔

رانا حافی میانی، سرگودھا:

علامہ پرویز صاحب ایک عظیم مفکر، ایک عظیم انسان، ایک عظیم مقرر، ایک عظیم لکھاری، ایک عظیم استاد، ایک عظیم مفسر الغرض زندگی کے تمام شعبوں میں وہ عظمت کی بلندیوں پر فائز نظر آئے۔

پرویز اقبال، سرگودھا:

اللہ تعالیٰ پرویز صاحب کو غریق رحمت کرے۔ میں تو مسلم بھی انہیں کی وجہ سے ہوں۔ دل و دماغ پر گندگی چھائی ہوئی تھی پرویز صاحب نے قرآن مجید کی روشنی سے روشناس کرایا۔ پرویز صاحب وہ پارس ہے جو چھو جائے تو پتھروں کو سونا کر دے۔

میری زندگی میں قرآن کریم کی محبت اور نبی کریم ﷺ کا معراج انسانیت کا عظیم کردار جگانے کی جوت پرویز صاحب نے جگائی۔ اتنے احسان ہیں پرویز صاحب کے۔ لکھتا ہوں تو شرمندہ ہوتا ہوں۔ میری تحریریں اس قابل ہی نہیں کہ اس عظیم انسان کو خراج عقیدت پیش کر سکوں۔

مفہوم القرآن ،لغات القرآن، معراج انسانیت، شاہکار رسالت، کیا کیا لکھوں۔سوچ کی جوتی جگانے شعور کی شمع جلانے حتی کہ عقل کا استعمال پرویز صاحب سے سیکھا۔اتنے معتبر کہ اب مجھے اپنا نام معتبر لگنے لگا ہے۔کمی بیشی معاف درد بہت بڑی نعمت ہے اور جس کے دل میں ملت کا درد ہو اللہ تعالیٰ نے وہ دل عطاء فرمایا تھا پرویز صاحب کو۔انکے لہجے کا کرب بیانات سے ہی نہیں انکی تحریروں سے بھی جھلکتا ہے۔

وائے افسوس! ملت کو نہ قدر ہے نہ اندازہ۔حال ویسا ہی ابتر ہے ابھی بھی جیسا پہلے تھا۔

قرآن بیان کرنا ہر دور میں اتنا ہی مشکل ہے جتنا کفار مکہ کے دور میں تھا اور یہ سعادت بھی کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔ علامہ پرویز اس طبقے کا سب سے روشن ستارہ تھے۔ساری عمر تن تنہا قرآن مجید کے لئے خود کو وقف رکھا۔تمام فرقوں کی۔شدید ترین مخالفت اور انکی تنقید کے نشتر کے سامنے یہ تن تنہا مرد مجاہد ڈٹا رہا۔قرآن مجید کی سچائی کو بیان کرنے میں سرمو بھی انحراف نہیں کیا۔ورنہ وہ لوگ بھی تو ہیں جو قرآن کریم کی سچائی جاننے کے باوجود مخالفت اور دنیاوی نمود و نمائش کے آگے جھک گئے۔

بس زیادہ نہیں لکھوں گا۔اللہ کریم علامہ پرویز پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

مرزا ظہیر، لاہور:

مفکر قرآن پرویز صاحب کے لیے۔وہ اک عہد ساز شخصیت تھی۔وہ اپنے آپ میں اک انجمن تھے۔صدیوں سے طاغوت کے پھیلائے پردوں سے روشن صبح طلوع کرنے والی شخصیت تھے۔صدیوں تک یاد رکھی جانے والی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خواہشات کے مطابق جلد وہ دن لائے جب طلوع اسلام ہو۔مرحوم کے درجات بلند کی خواہش و دعا ہر وقت لبوں پر رہتی ہے کہ اس ایک شخص نے قرآن کو ریشم و کمخواب کے غلافوں اور طاق سے اتار کر ہمارے ہاتھوں میں دے دیا۔ کہ یہ ہے وہ کتاب جس میں ذرا بھی شک نہیں اور ہے کوئی صراط مستقیم کا متلاشی،اس صراط مستقیم کا متلاشی جس پر چلنے والوں پر پہلے بھی انعامات کی بارش ہوئی۔اور انکار کرنے والوں پر ہمیشہ اس کی رحمتوں برکتوں کے دروازے بند کر دیئے گئے۔تو آؤ راہ حق کے متلاشیو کہ یہ وہ کتاب ہے جو تمہیں سیدھا راستہ دکھلائے گی۔

یہ تھی وہ شخصیت جس نے زمانے کی لعن طعن اور فتوؤں کے باوجود نہ صرف خود اس کتاب سے صراط مستقیم تلاش کی بلکہ ہم نابلد و ناخواندگان تک یہ ہدایت پہنچائی۔منکسر مزاج اتنا کہ فرمایا....

''میں نے اپنی صوابدید کے مطابق جو سمجھا آپ تک پہنچا دیا جو بہر حال ایک انسانی کوشش ہے اور سہو و خطا سے مبرا نہیں۔اگر آپ میں سے چند سعید روحیں قرآن کو ناطق جان کر اسے خود سمجھنے کے راستے کے مسافر بن گئے تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری عرق ریزی کا صلہ مل گیا۔''

یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ غلام احمد پرویز کی کاوشوں سے قرآن جو طاق نسیاں کی زینت بن کر مہجور ہو چکا تھا آج پھر سے راہبر و امام بننے کے لئے کم از کم ہر ایک کے سامنے موجود تو ہے۔اللہ اس شخصیت کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ دے اور اس کی عرق ریزیوں کا اسے صلہ دے۔میں سمجھتا ہوں جب تک دنیا میں اک شخص بھی حامل قرآن رہے گا پرویز بھی زندہ رہے گا۔

شوکت علی، لاہور:

یہی تو علامہ غلام احمد پرویزؒ پر اللہ کا خصوصی کرم تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی کیلئے ایک اعلیٰ وارفع نصب العین مقرر کیا اور اپنے اس نصب العین تک پہنچنے کیلئے جو قرآنی پیمانے تھے ان کو اپنایا اور منزل تک نہ کہ خود پہنچے بلکہ ہمیں بھی وہ روشن راستہ دکھا گئے۔

حسیب الٰہی، کراچی:

یہ تمام موضوعاتی پمفلٹس گواہ ہیں کہ علامہ پرویز اتحاد امت کے کتنے بڑے داعی تھے اور کتنا درد رکھتے تھے جن امور پر امت کا اتفاق ہے اس پر بھی علامہ نے کبھی اختلاف نہیں کیا صرف قرآن کے بتائے اصولوں کے مطابق حل تجویز کیا اور اس پر بھی کبھی بضد نہیں ہوئے، مذہبی پیشوائیت نے کبھی عوام کو ان کے قریب نہیں آنے دیا ہر طرح سے روڑے اٹکائے ایسا کرنے میں مذہبی پیشوائیت کامیاب بھی رہی لیکن طلوع اسلام کا مسلسل اجراء، علامہ کی تحاریر کا مسلسل چھپنا، قبولیت پانا اگرچہ سست رو ہی سہی اس بات کی دلیل ہے کہ حق سچ اپنی راہ بنا ہی لیتا ہے۔ گزارش ہے ایک بار کھلے ذہن سے علامہ کو پڑھ سن لیں پھر جو فیصلہ کریں ایک زمانے میں خود میں بھی ڈرتا تھا لیکن آج دنیا کی کوئی کشش ختم نبوت پر اور آقا نبی اکرم ﷺ سے عشق پر ذرا سا بھی ادھر ادھر نہیں کر سکتی کیوں کہ اب میرا ایمان بصیرت پر قائم ہے قرآن مجید پر ایمان اعتقادی سے بصیرت پر مبنی کرنے کا سہرا علامہ پرویز پر ہے اسی وجہ میں ان کی عزت و احترام کرتا ہوں عقیدت نہیں شخصیت پرستی شرف انسانیت کے لئے زہر قاتل ہے۔ یہ میں نے علامہ سے ہی سیکھا ہے غور کیجئے گا شکریہ

اختر کاشمیری، ڈالاس، ٹیکساس (امریکہ):

''بالآخر وقت نے ایران کے پرویز اور قرآن کے پرویز میں فرق قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کے پرویز کی پرواز اتنی اُونچی ہے کہ ایران و طوران کے سارے پرویز مل کر بھی اَب قرآن کے خلاف اپنی کسی سازش کو کامیاب نہیں بنا سکیں گے!!''

سید عطاء الرحمٰن بخاری، لاہور:

خاندانی پس منظر:

میرا بنیادی تعلق بہاولنگر شہر سے ہے۔ میں ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ والد صاحب کی طرف سے تمام رشتہ دار شیعہ جبکہ والدہ صاحبہ کی طرف سے سب رشتہ دار بریلوی شیعہ مکس ہیں۔ والد صاحب نے دیوبندی مسلک کے مدارس میں تعلیم پائی۔ وہ دیوبند مسلک کے مشہور عالم مقرر و خطیب تھے۔ وہ 55 سال شہر کی ایک جامع مسجد کے امام و خطیب رہے۔ اس کے علاوہ شہر میں اپنا ذاتی مدرسہ بھی تھا جس کے مہتمم تھے۔ لوگ دور دراز علاقوں سے ان کی تقریر سننے آتے ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں ادا کرتے۔ ان سے مسئلے دریافت کرتے۔ دور دور سے ان کے جلسوں میں شرکت کرنے آتے۔ ہر سال تین روزہ سالانہ جلسہ ہوتا جس میں ملک کے جید علماء کرام کی تقاریر ہوتیں۔ ہم ان جلسوں کا خوب اہتمام کرتے۔

ہمارا پیری مریدی کا سلسلہ تھا اور والد صاحب تعویذ دھاگہ دم جھاڑ پھونک حساب کتاب جنات و آسیب سے چھٹکارے کے عملیات اور ورد وظائف اور قرآنی عملیات بھی کرتے تھے۔ ملک کے مختلف شہروں میں انکے معتقدین و مریدین کی اچھی خاصی تعداد تھی۔

اس قسم کے کٹر مذہبی ماحول میں ہم نے آنکھ کھولی پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔

اس زمانہ میں شیعہ سنی کے درمیان اختلافات میں اتنی شدت نہیں تھی اوپر سے والد صاحب کا تمام خاندانی پس منظر شیعہ تھا چنانچہ میری شادی بھی ایک ایسے خاندان میں ہوئی جو بریلوی کم اور شیعہ زیادہ تھا۔

تبدیلی سوچ کے سفر کا آغاز:

میں نے اپنے والد صاحب کے خاندان اور اپنے سسرالی خاندان والوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کھلم کھلا گالی گلوچ کرتے سنا تو اس سے میرے اندر تحقیق کرنے کا جذبہ پیدا ہوا کہ آخر ان کو ان عظیم ہستیوں سے اس قدر بغض وعداوت کیوں ہے؟

والد صاحب نے مجھے حافظ قرآن اور مذہبی عالم و پیر بنانے کی شدید ترین کوشش کی مگر میں اس ماحول کو اختیار نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں مذہب کے ان معاملات پر شروع سے تنقیدی سوچ رکھتا تھا۔ بطور طالب علم میرے ذہن میں جو سوالات ابھرتے تھے ان کے جوابات کسی بڑے سے بڑے عالم کے پاس نہ تھے۔ شروع میں میں پکا دیوبندی تھا۔ جب خود سے مطالعہ وتدبر کرنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ دیوبندیوں کا مسلک بریلویوں کے قریب ترین ہے اور اس میں بھی شیعیت کافی حد تک موجود ہے۔ جن عقائد کی بنا پر وہ بریلویوں کو بدعتی اور مشرک گردانتے ہیں بالکل وہی عقائد انکے اندر بھی موجود ہیں۔ جناب طارق جمیل صاحب کو میں نے بہت سنا۔ تبلیغی جماعت میں چلے بھی لگائے۔ انکے بیانات کو جتنا سنا اتنے ہی اعتراضات ذہن میں پیدا ہوتے چلے گئے۔ لیکن اس دوران میں نے والد صاحب کی لائبریری میں پڑی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی مشہور کتاب ''خلافت وملوکیت'' پڑھی تو اسکا الٹا اثر یہ ہوا کہ میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بغض وعداوت رکھنے لگا۔ پھر اس کے کچھ سالوں بعد سپاہ صحابہ نے زور پکڑا تو میں تحفظ ناموس ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوچ کر اس جماعت کا گرویدہ ہو گیا مگر جب شیعہ سنی اختلافات نے خونریزی کی شکل اختیار کر لی تو میں ان سے الگ ہو گیا۔ اس میں میرا موقف یہ تھا کہ جن باتوں کیوجہ سے سپاہ صحابہ والے اہل تشیع کو کافر کہتے تھے وہی سب باتیں میں نے اہلسنت کی صحاح ستہ وتاریخ میں بھی موجود پائیں۔

سچائی کی تلاش میں ان دنوں میں نے علامہ تمنا عمادی اور علامہ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی کی تحقیقاتی تصنیف ''مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت'' کو پڑھا تو کچھ سمجھ آنا شروع ہوئی۔ اسکے بعد میں مزید تحقیق کے لیے اہلحدیث کے قریب آ گیا تو پتہ چلا کہ اللہ، توحید، قرآن، ملائکہ، نبوت، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حرمت کے خلاف تمام تر مواد کی جڑ کتب روایات ہی ہیں۔ اس کے بعد میں اہلحدیث سے بھی الگ ہو گیا۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ کچھ سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر میں نے حوصلہ نہیں ہارا اور سچ کی جستجو میں لگا رہا۔ مسلسل غور وفکر کرتا رہا۔

جناب ڈاکٹر اسرار صاحب اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب دونوں حضرات کو بھی میں نے بہت سنا۔ ان سے میں بڑا متاثر تھا لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ جدید انداز بیاں کے فرق کیساتھ وہی روایتی ملاں ہی ہیں۔ گو چند روایات کو ضعیف مانتے ہیں اسکے باوجود دونوں ہی ملاؤں کی طرح روایات کو وحی خفی یا وحی غیر متلو سمجھتے ہیں اور اسی پر مصر ہیں کہ روایات کے بغیر قرآن ودین سمجھ نہیں آ سکتا۔

ان دونوں میں سے محترم جاوید احمد غامدی صاحب زیادہ بہتر تحقیقی سوچ رکھتے ہیں۔ میں ان کو فالو کرتا رہا۔ ایک بار انکا وڈیو کلپ دیکھا جس میں انہوں نے پرویز صاحب پر شدید تنقید کی اور کہا کہ ان کا علم علم نہیں بلکہ ضلالت یعنی گمراہی ہے۔ اسکے بعد میں نے پرویز صاحب کو بغور سننا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ غامدی صاحب نے نہایت بہتان طرازی اور علمی خیانت سے کام لیا ہے۔ اسکے بعد میری توجہ پرویز صاحب کی فکر قرآنی کو سمجھنے کی طرف ہوگئی۔ ایک شخص کے مشورے پر میں نے یوٹیوب پر جناب غلام احمد پرویز صاحب کے درس قرآن کے کچھ وڈیوز دیکھے۔ پھر کیا تھا جیسے جیسے سنتا گیا قرآن کی حقیقت میرے دل و دماغ میں اترتی چلی گئی بیقرار دل کو سکون آنے لگا۔ اندر تغیر نفس پیدا ہوا تو سوچ اور رویہ میں بھی مثبت تبدیلی آنے لگی۔ اب دل دماغ اور آنکھوں میں قرآن کے علاوہ کوئی جچتا ہی نہیں۔ سلام اس عظیم مفکرِ قرآن جناب علامہ پرویز صاحب کو جن کی بیمثال مخلصانہ وحق پرستانہ فکر قرآنی مجھے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئی۔ اب میرا کسی سیاسی یا مذہبی فرقہ، مسلک یا فقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف ایک مسلم ہوں۔ نبی کریم محمد ﷺ کا آخری نبی اور قرآن کو آخری درجہ میں واحد حجت، قطعی فیصلہ کن اور بلاشرکت غیرے ہدایت کی کتاب مانتا ہوں۔

خالص قرآن و دین اللہ کے مقابل مذہب کی تباہ کاریاں، جو قوم جتنا زیادہ مذہب پرست ہوتی ہے اتنا ہی دنیا میں ذلیل وخوار ہوتی ہے۔ یہ مذہب ہی تو ہے جو انسانوں کو سب سے پہلے جاہل، بے عقل، قدامت پسند، توہم پرست، فرقہ پرست، روایت پرست، بت پرست، شخصیت پرست، قبر پرست، مردہ پرست، اسلاف پرست، عقائد پرست، مفاد پرست، فتویٰ پرست، عقیدت مند، عقل کا اندھا، عقل وفکر کا دشمن، مشرک، مفسد، منافق، فتنہ پرور، علم کا دشمن، دلیل و برہان سے عاری، رواداری و برداشت سے عاری، تاویل پسند، تطبیق پسند، انتہا پسند، شدت پسند بناتا ہے ان کو مخصوص وضع قطع شکلیں وصورتیں لہجے اختیار کراتا اور رنگ برنگے حلیے لباس جبے قبے دستاریں پگڑیاں ٹوپیاں پہناتا ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد پھر یہی مذہب اپنے مذہبی پیشواؤں کے ذریعے اپنے پیروکار انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ کر ان کو آپس میں لڑاتا بھڑاتا، ایک دوسرے کو مرتد و کافر بناتا، انسانوں کو قتل کراتا، انسانوں کو گھنگرو اور کڑے پہناتا، انسانوں کو نچواتا، انسانوں کو انسانوں کے آگے جھکاتا اور ان کے پاؤں میں گراتا، زندوں کو مردوں کا محتاج بناتا، انسانوں کو بتوں وقبروں کے آگے سجدہ ریز کراتا، بچھڑے گائے گھوڑے پتھر کی تعظیم و پوجا کراتا، قبروں پتھروں لکڑی گتے کے تابوتوں کو بوسے دلا کر گناہ بخشواتا اور منتیں منواتا، انسانوں کو ماتم زنجیر زنی کراتا، انسانوں کی چتا کو آگ تک لگواتا، انسانوں کو برہمن کھشتری شودر بنا کر طبقوں میں تقسیم کراتا، نسلی وخاندانی امتیاز پیدا کر کے انسانوں میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق کراتا، مسلمانوں میں سید وغیر سید کا فرق ڈلوا کر نسلی وخاندانی امتیازات کی بنیاد فراہم کراتا، ثواب اور گناہ کے چکروں میں الجھواتا، انسانوں کو جنت یا جہنم رسید کراتا، مجرموں کی سفارش وبخشش کراتا، انسانوں کو غلام ان کی عورتوں کو لونڈیاں بناتا، عورتوں کو مردوں سے کم تر باور کراتا، عورتوں کی گواہی و دیت کو آدھا قرار دلاتا، عورتوں کو دیوی داسیاں پجارنیاں راہبائیں رقاصائیں ملنگنیاں بنا کر ان کی عصمت دری کراتا، تین طلاق کے نام پر عورتوں کے حلالے کراتا اور مرد وعورت کی غیرت عزت وآبرو کا جنازہ نکلواتا ہے۔ آزادانہ جنسی لذت وتسکین کیلئے عورتوں سے متعہ ومسیار کراتا ہے۔ یہ انجام ہوتا ہے

انسانیت کا جب وہ خالص کتاب اللہ یا دین کو چھوڑ کر مذہب پرستی اختیار کرتی ہے۔

ایسی قوم کے متعلق قرآن بڑا ہولناک منظر پیش کرتا ہے کہ وہ گویا آسمان کی بلندیوں سے پستیوں میں خود کو گرا لیتی ہے جس کے بعد گدھ چیل کوے اس کو نوچنے چیرنے پھاڑنے لگ جاتے ہیں۔ اف! یہ حال ہوتا ہے مذہب پرست اقوام اور ان کے افراد کا۔ اب بھی مہلت کا وقت ہے کہ اپنی زندگی میں مذہب پرستی کو چھوڑ کر خالص قرآن یا دین اللہ پر کاربند ہو جائیں وگرنہ یہ مذہبی پیشوا اپنے مفاد کیلئے انسانوں کو اسی طرح نوچتے لوٹتے کھسوٹتے رہیں گے اور انہیں سر اٹھا کر عزت و تکریم اور امن وسکون کے ساتھ جینے نہیں دیں گے۔

دین اسلام کیا ہے؟ دین اللہ کی بنیاد کن علوم پر ہے؟ قرآن کریم میں دین کے سلسلہ میں دو قسم کے علوم کا ذکر ہے:

(1) انفس (Human Psyche)

(2) آفاق (Physical Universe)

1۔ انفس یا علم النفس

قرآن کریم میں دین اللہ کا پہلا شعبہ انسانی نفسیات یعنی علم النفس کے متعلق ہے۔ نفس سے مراد انسانی جسم میں وہ غیر مادی Non Material، لافانی Immortal، غیر مرئی Invisible جاندار قوت یا الوہیاتی توانائی ہے جسے اللہ نے ارادہ واختیار کی ایسی غیر معمولی طاقت عطا کر رکھی ہے جسے وہ خالق ہو کر بھی سلب نہیں کرتا۔ یہ نفس انسانی جسم کے مرنے سے بھی نہیں مرتا کیونکہ انسانی جسم مادی قوانین Material Laws کے تابع کام کرتا ہے جبکہ انسانی نفس ان قوانین کے تابع نہیں ہوتا۔ جسم میں اس کی حیثیت حاکم کی ہوتی ہے۔ تمام جسمانی اعضاء عین اسی کے ارادہ واختیار کے مطابق کام کرتے ہیں۔

اللہ نے انسانی نفس کے اندر پہلے سے طے شدہ کوئی ہدایت یا گمراہی نہیں رکھی ہوتی اور نہ ہی اس کا مقدر پہلے سے متعین کر کے لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے ہر انسان اپنے ہر عمل کا ذمہ دار بھی ہے اور بروز قیامت جوابدہ بھی ہوگا۔ وہ اپنے تمام فیصلے کرنے کا مکمل مجاز و با اختیار ہوتا ہے۔ اسے اپنے فیصلے کرنے کے لیے چار غیر معمولی چیزیں عطا کی گئی ہیں:

1۔ ارادہ Will

2۔ اختیار Power

3۔ عقل وفکر Human Intellect

4۔ وحی یا کتاب اللہ میں مذکور ابدی وغیر متبدل:

خدائی اقدار Values اور خدائی ہدایات Directions

چونکہ یہ اقدار و ہدایات کوئی بھی انسان خود وضع Formulate نہیں کر سکتا اس لیے انہیں اللہ نے اپنی طرف سے بذریعہ وحی اپنے منتخب بندوں یعنی انبیاء کرام پر نازل کر کے انسانوں تک پہنچایا تا کہ انسان مذکورہ بالا چاروں عناصر سے صحیح صحیح کام لیتے ہوئے ان ابدی وغیر متبدل خدائی ضابطوں کے مطابق اپنے فیصلے وعمل کریں۔ جس کے نتیجہ میں وہ اپنی خداداد مخفی صلاحیتوں Potential کی نشوونما کر کے ترقی کرتے ہوئے ابدی زندگی کی لامتناہی نعمتوں وکامرانیوں سے سرفراز ہو جائیں۔

واضح رہے کہ اللہ کے قانون مکافاتِ عمل کے تحت انسان کے اختیار میں یہ چیز تو ہے کہ وہ چاہے تو آگ میں انگلی نہ ڈالے لیکن اگر وہ اس میں انگلی ڈالے گا تو وہ لازمی جلے گی اور اسے تکلیف کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ یعنی انسان کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کے قوانین فطرت یا ان کے نتائج کو بدل سکے۔ کوئی معجزہ کوئی کرامت نہیں ہوسکتی۔

قرآن میں مذکور اللہ کی صفات کا مقصد یہ ہے کہ انسان حتی المقدور اپنے اندر ان صفات باری تعالیٰ کو منعکس کرے یا سموئے تاکہ دنیا میں ایک متوازن انسانی معاشرہ قائم ہوسکے۔

2۔ آفاق یا مادی کائنات کے علوم فطرت:

قرآن کریم میں دین اللہ کا یہ دوسرا شعبہ ہے۔ یہ مادی کائنات میں کارفرما فطرت کی قوتوں Natural Forces۔ جنہیں قرآن میں ملائکہ کہا گیا ہے کے غیر متبدل قوانین الٰہیہ ہیں جن کا علم قرآن میں نہیں ہے بلکہ انہیں انسانی عقل وفکر کے استعمال سے تحقیقات، مشاہدات وتجربات کے ذریعے حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ انسان ان کا علم حاصل کرکے تسخیر کائنات کرسکے۔ علم الآفاق میں سائنس کے تمام علوم اور ان کی سب شاخیں آجاتے ہیں۔ مثلاً فزکس، بیالوجی، کیمسٹری زوالوجی جیالوجی آرکیالوجی باٹنی وغیرہ۔ جو انسان مذکورہ بالا چاروں عناصر سے صحیح صحیح کام نہ لیکر انسانیت سازی نہیں کریں گے اور اپنے ہی سرکش مفاد پرست جذبات ۔۔۔ جنہیں اللہ نے قرآن میں شیطان/ ابلیس قرار دیا ہے۔۔ کی اتباع کریں گے نیز فطرت کی قوتوں کا علم حاصل نہ کرکے تسخیر کائنات نہیں کرپائیں گے یا تسخیر کائنات کرکے ان کے ماحصل کو قرآن میں مذکور خدائی اقدار وہدایات کے مطابق ہر قسم کے جغرافیائی امتیازات (ملک قوم رنگ نسل خاندان قبیلہ زبان وغیرہ) سے بالاتر ہوکر تمام بنی نوع انسانی کی ربوبیتِ عالمینی یا انکی فلاح وبہبود کے لیے استعمال میں نہیں لائیں گے تو وہ اس دنیا اور آخرت کی زندگی میں بھی جہنم میں ہوں گے۔

خلاصہ:

یعنی دین یہ ہے کہ خالص قرآنی ضابطوں کے تحت انسانی کردارسازی کرنا، فطرت کی قوتوں کا علم حاصل کرنا اور سائنسی دریافتوں کو بلاامتیاز تمام انسانیت کی منفعت کے لیے عام وکھلا رکھنا۔ صرف ایسی ہی قوم کو قرآن اسی دنیا میں اعلون Superior قرار دیتا ہے جو سیاسی معاشی وعسکری ہر لحاظ سے آزاد، مختار اور فیصلہ ساز ہوتی ہے۔ کسی کی محکوم، محتاج یا دست نگر نہیں ہوتی۔ قرآن کی رو سے ایسی ہی قوم مومن ہوسکتی ہے۔

نوٹ:

مذکورہ بالا دونوں قسم کے علوم (علم النفس+علم الآفاق) ملکر دین بنتا ہے۔ ان سے متعلق خدائی قوانین اٹل ابدی و غیر متبدل ہیں۔ خود ان کا خالق اللہ بھی ان میں ہرگز ذرہ سی کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔ اللہ کے ہاں اس کے اپنے عالم الامر میں بھی جس کا ادراک انسانی عقل وفکر نہیں کرسکتی اور انسانوں کی مادی یا طبیعی کائنات میں بھی ہر جگہ اللہ کے اٹل ابدی وغیر متبدل قوانین کی حکمرانی یعنی Rule of Law قائم ہے۔ نیز اس کے بنائے ہوئے Cause and Effects اور ان کی نتیجہ خیزی کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ قرآنی ضابطے اور کائناتی یا فطری قوتیں آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنے

دعووں کی صداقت کے ثبوت میں مادی کائنات کے منظم نظام اور فطرت کے مظاہر کو پیش کرتا ہے۔

یعنی انفس اور آفاق دونوں ہی دین ہیں کیونکہ نفس (انسانی ذات) اور آفاق (کائنات یا مادہ یا نیچرل فورسز) دونوں کے قوانین اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ الگ الگ ہی نہیں بلکہ دونوں ملکر ہی دین بنتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کفر ہے جس کا نتیجہ قرآن نے خزی فی الحیٰوۃ الدنیا و فی الآخرۃ بتایا ہے یعنی اس دنیا میں بھی ذلت وخواری اور آخرت کی دنیا میں بھی ذلت وخواری کا ابدی جہنم۔

حنیف چوہدری، لاہور:

مذہبی پیشوائیت (فرقہ پرست) مُلّاؤں و پیروں سے آزادی ملی ہے۔

ظفر ہاشمی، ملتان:

علامہ پرویز صاحب کی وجہ سے مجھے سوچنے کی صلاحیت حاصل ہوئی ہے۔

سعید خان، کراچی:

اک عام سا گناہگار بندہ ہوں۔ جب سے علامہ پرویز صاحب کو سنا۔ فرقہ پرست مولویوں کو دور سے دیکھ کر راستہ بدل لیتا ہوں۔

❁❁❁❁

کوئی دعویٰ نہیں

کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں نے قرآن کریم کو اپنی بصیرت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اسی فکر پر اس تحریک کی بنیاد رکھی ہے میری یہ فکر میری تحریروں میں محفوظ ہے اور انہی تحریروں کا میں ذمہ دار ہوں۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات میری طرف منسوب کرے جو میری تحریروں میں نہیں، تو اس بات کو نہ کوئی سند حاصل ہو سکتی ہے نہ میں اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہوں، خواہ وہ شخص مجھ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو۔ میں نے اس وارننگ کو اس لیے ضروری سمجھا ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سلسلہ ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔ اس زمرہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باتیں تو اپنی طرف سے کرتے ہیں، اور منسوب کر دیتے ہیں انہیں تحریکِ طلوع اسلام کی طرف، وہ دانستہ ایسا کرتے ہوں یا نادانستہ، دونوں صورتوں میں اس سے تحریک کو بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ تحریک کے لیے سند صرف وہ تحریریں ہیں جو اس کی طرف سے شائع ہوئی ہیں، نہ کہ زبانی روایات خواہ راوی کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں میری درخواست ہے کہ آپ احباب اس کا بھی خاص طور پر خیال رکھیں۔

(پرویزؔ، سالانہ کنونشن، 17 تا 20 مارچ 1966ء)

پمفلٹس --- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے

فی پمفلٹ قیمت 10 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسلام آگے کیوں نہ چلا	قرآن مجید کے خلاف گہری سازش	دوقومی نظریہ
اسلام کیا ہے؟	قربانی	عورت قرآن کے آئینے میں
اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	قیامت موجود	پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''
اسلام اور مذہبی رواداری	قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!	کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟
کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟	قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر	تحقیق ربوٰ (مسئلہ سود)
اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟ (مغربی پاکستان ہائیکورٹ کا فیصلہ)	ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟	کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟
اسلامی آئیڈیالوجی	ہندو کیا ہے؟	بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش (20 روپے علاوہ ڈاک خرچ)	ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ (قرآنی اصطلاحات کی تشریح)	تکذیب دین کون کرتا ہے اور مصلّی کسے کہتے ہیں
اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں	ہماری تاریخ میں کیا ہے؟	روٹی کا مسئلہ
اسلامی قانون سازی کا فریضہ (بال سے باریک تلوار سے تیز)	ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟	جو ہوذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
انسانیت کا آخری سہارا	ہم عید کیوں مناتے ہیں؟	نماز کی اہمیت
اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری	مقام اقبالؒ	ضبطِ ولادت (خاندانی منصوبہ بندی)
اقبال کا مردِ مومن	مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	علماء کون ہیں؟
اندھے کی لکڑی	مرزائیت اور طلوع اسلام	فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں
آرٹ اور اسلام	ماؤزے تنگ اور قرآن	کافرگری
قرآن کا معاشی نظام	مومن کی زندگی	حرام کی کمائی
قرآن کا سیاسی نظام	جہاں مارکس ناکام رہ گیا	عالمگیر افسانے

قرآنی پمفلٹس

صحیح قرآنی فکر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں قرآنی فکر پر لکھے گئے چھوٹے پمفلٹس نے بھی بہت ہی اہم اور کامیاب کردار ادا کیا ہے۔ احباب اِن پمفلٹس کا خود بھی مطالعہ کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو تقسیم بھی کرتے ہیں اس لئے اِن کی قیمت اصل لاگت سے بہت ہی کم رکھی جاتی ہے۔ جبکہ کچھ صاحب ثروت احباب اِس کمی کو اپنے عطیات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں چونکہ یہ سلسلہ ابھی بھی محدود پیمانے پر جاری ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس سلسلہ کو مزید بہتر کیا جائے لہٰذا صاحب ثروت حضرات سے مزید عطیات کی درخواست کی جاتی ہے کہ وہ قرآنی فکر کے کام میں مزید وسعت پیدا کرنے میں ہماری مدد کریں اور اپنے عطیات ''پمفلٹس فنڈ'' کے لئے بھجوائیں تاکہ پمفلٹس کی طباعت اور دوسروں تک قرآنی فکر کو پہنچانے میں ہم کامیابی حاصل کرسکیں۔

ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات کی کل آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف ہوتی ہے

رقم بذریعہ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بنام ادارہ طلوع اسلام 25-B گلبرگ 2، لاہور ارسال فرمائیں۔
بینک اکاؤنٹ کی تفصیل پہلے صفحہ نمبر 2 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

Manzil ba Manzil **(منزل بہ منزل)**

Chapter 4: Builder of Kaaba (*Mei'mar Haram* - معمارِ حرم) –

To leaders of Spring's caravan

(Tulu-e-Islam Convention, April, 1960) Episode No. 2

By G. A. Parwez (Translated by: M. Alam)

But you can see how this strategy of Iblis is failing. No one is interested to hear nowadays whether "*the son of Marry is dead, or is he eternally alive?*" So, from the pulpits you won't hear such things now. The world wants real solutions to life's practical problems which can only be found in the Quran. That is why even the Mullah finds himself forced to talk about the Quran in his sermons from the pulpit. Just hear the sermons of different mosques. You will find that almost every speaker will be using abusive language against the Tulu-e-Islam but the content of the sermon will be mostly based on some article of Tulu-e-Islam. So, why do they use abusive language against Tulu-e-Islam while using its content? This is because their narcissistic ego and false pride does not allow them to accept the reality. In the words of the Quran: وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ (2:206) – When they are asked to abide by the Divine Laws, their power-intoxication and false pride impels them towards greater destruction. But they have become used to deriving all the benefits from using the name of the Quran. So they keep doing it because people have deep affection for the Quran. But these Mullahs do not muster the courage to openly submit to the Quran's true message because that affects their religious profession:

The Sheikh stopped and looked around;
Then bowing his head entered the tavern!

Still better way to put it is:

Modesty heard and eyes became intoxicated;
Pious one came to the wine party unexpected!

But my dear friends, this does not mean that you should take it easy if the demand of the times is knocking out the darkness of religion. Not at all? On the contrary, this is the time for you to double your effort. See! How beautifully and pithily the Quran puts this: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ (35:10) – Therefore if any nation desires to regain life with power, strength, superiority and respect, it should keep in mind that all this can only be achieved by following Divine Laws. The nation should also keep in mind the fundamental reality that in order to achieve further development and ascendancy towards greater heights, two things are important: 1) to have an ideology or concept of life which has the inherent capacity to grow, flourish and achieve pleasant results; and 2) righteous deeds which help lift this ideology skywards. Divine Guidance has the capability to continue growing

without any external support. However its speed is very slow compared to human scale – Allah's one day may be as long as fifty thousand years; but it speeds up when it is supported by human deeds.

An observer starts saying:

One giant step of deep passion ended the story abruptly;
I held that the Earth and heaven were stretched infinitely!

So, O torch bearers of the Quranic message in this dark period! Step forward. Signs towards the Quranic destination have started appearing. The world is waiting to hear the real message of the Quran. Make sure you do not get tired and stop for respite. Otherwise, you will feel sorry for why you stopped when the world was eager to listen to your message:

When the world was listening intently to us;
We ourselves slept in the middle of the story!

In your awakening my friends, there is secret for awakening of humankind. Therefore: قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (74:2-5) – Arise and warn the slumbering people of the outcome of their erroneous ways of life. And establish the Order of universal sustenance so that it manifests the sovereignty of your Sustainer and shows that all greatness should only belong to Him. You too will thus attain eminence in the world. To achieve this it is very important that you purify your own conduct, character and personality; and that you keep this mission free from every kind of undesirable element. This system cannot be operated mechanically by anyone. The mission should be clean and transparent; and the vision and character of all those who participate in it should be pure. Take such companions with you and give them the training that would inculcate strength in their personalities, with which they can undertake this big responsibility with ease. They should not tremble when they are asked to rise up bearing this heavy responsibility.

We saw an example in the last convention how the demands of time are bringing the world closer and closer to the Quran and how the custodians of religion have to bow down before them. This was about the popular support for the recent land reform legislation and we saw how the religious establishment could not raise its obscurantist voice against it because despite their belief in unfettered capitalism and unlimited land ownership. This year the government has reformed a sharia law pertaining to inheritance that is now closer to the Quran. In the sharia law an orphan child cannot get any share from his deceased father's inheritance if the grandfather is still alive. The sharia also openly allows a husband marrying four wives; and gives sole authority of divorce to the husband. The wife is completely helpless in this regard. These laws have been instrumental in spreading corruption and grief in the society.

But due to popular opposition of these anti-Quran laws, the law-commission proposed reforms in these family related sharia laws as well. Although these proposed laws are not all exactly according to the Quran but they are definitely closer to it than the traditional sharia laws. And the government has accepted these laws and these will be given legal status making life easier for a vast majority of people who are suffering under weight of the current traditional sharia laws. We congratulate the government for this reform and request that it should continue to move toward the Quranic laws. We also hope that it never enacts any laws that are against the Quran. Therefore, this message must be communicated to the law-commission: that only that law could be called Islamic which is in accordance with the Quran.

***

Organization of Tulu-e-Islam movement

Now, my brothers, I want to say something about our movement. As I have been saying all along, this movement has nothing to do with any religious or political party. This is an organized effort to spread the Quranic thought. As for the Quranic thought that is presented here, if you accept it because it is my thought – i.e., your authority is that Parwez is saying this – then please remember! You have neither understood the Quran nor this movement. The authority for Quranic thought cannot be Parwez nor any other human being. I present the Quran according to my understanding. It is your duty to critically examine my explanation of the Quran and then come to your own conclusion with your own mind to see whether or not my explanation is right. If you agree then it is your own understanding of the Quran directly on the basis of the authority of the Quran, not my authority. Please listen again: the day you make any human as an authority in the دین (*Deen*) instead of the Quran, then you laid the foundation of sectarianism that day. And you already know that creating sect in دین (*Deen*) is شرک (*Shirk*) according to the Quran.

Those friends who, after due thought and understanding like this, find the message presented by Tulu-e-Islam as right form a collective unit called Bazm-e Tulu-e-Islam, whose purpose is to collaborate and coordinate their effort in an organized form to spread the Quranic thought presented by Tulu-e-Islam. It is necessary for the members of the Bazms to have loving and amicable relationships with each other. Their life should be a living example of رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡ (48:29) – they are kind hearted and sympathetic amongst themselves. This is only possible if they trust each other. The unity of goal creates this type of trust. It is necessary for you not to give importance to trivial differences related to this organized effort. Don't insist on your opinion to be accepted by others. Try to embrace others as much as possible in your heart.

Remember that these individual pearls of the thread have been collected with great effort. Don't try to break the thread of this bond.

But please remember! There is no point in keeping someone with you who does not agree with the Quranic thought presented by Tulu-e-Islam. Your organization is completely different from the organization of the political parties. The strength of political lies in the numbers of its members. That is the reason these parties try to do everything possible to keep their members within the party. But your organized effort is based on harmony of thought. So, if a person is not fully committed with all his heart to spread this message then there is no point in keeping him within your organization. But, on the other hand, if the Quran has entered in someone's heart, and for emergent emotional reason this person has left you, then sooner or later he will come back:

Those leaving due to some excuse;
Will come back to you somehow!

This is because he won't receive such companionship as you offer to him. However, if there is anyone, in whose heart the Quran has not entered, you cannot compel him to stay with you.

There is no control in love; because it lights an inner fire Ghalib;
It can't be lit from outside nor can it be extinguished from outside!

But you should continue your efforts so that the inner fire that is burning in your heart may also start a fire in his heart as well.

Day of accountability

My dear friends, there is one more important question worth pondering. You gather every year in these conventions. The question is: what is the purpose? There is no doubt that people benefit from exchanging ideas; that they benefit from networking and creating bonds of friendship; that they benefit from understanding the Quranic perspective on various aspects of life. These are very laudable objectives. But the basic goal of these conventions is something else – which is that these conventions serve as a Day of Accountability or یوم الحساب (*Yaumul Hisaab*). This means you have to assess yourself. You have to assess: to what extent the decision made at the prior convention has been achieved; to what extent the program action that was decided upon has been given practical shape; that to what extent the agenda that was agreed upon has been completed. If you did this kind of accountability then you accomplished the goal of the convention. If you didn't do this then this gathering is no more than a crowd of believers. If after the accountability, if you moved one step ahead with program of action then you will be counted among live human beings, and our destination will get nearer. And we can be hopeful that we will reach our destination one day: ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ (45:30) – This will obviously be a

great achievement! On other hand, if we see that we are standing at the same place that we were standing last year – then this will be like the state of lifeless stones, not the state of living human beings. There is no difference between being static and being dead. In the words of Allama Iqbal:

Incessantly moving ahead is sign of life;
Remaining in the same state is not life;
If your tomorrow is the same as today;
You are only clay without the fire of life!

But, God forbid, if you are in a state of life which is behind compared to last year – then the Quran's judgment is: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (95:5) – Then We return him to the lowest of the low state. What can we say about such a state except to say?

Ask his heart and soul whose destination today;
Is far farther than what it was only yesterday?

Therefore my dear friends, do your accountability in this gathering. And find out from the Quran whether you are to be counted among the live human beings or among the dead stones or the lowest of the low. In fact, you should do this accountability at every step of your way. Life in fact means that one should incessantly engage in accountability. If you don't do what you say you will do then you are doing poetry with life: وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (26:226) – And the biggest difference is that their own lives are not according to what they say. They themselves do not act upon their own words. But more serious than this will be your warped psychological condition if you want praise for something that you don't do: وَيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا (3:188) – They like to be praised for what they did not do.

My dear friends, if this is the case then it is self-deception as well as God-deception. This must not be the case with an organization which claims to spread the Quran's message. The proof of the claim of its message should be the living results of its deeds. Please remember! In the scale of Allah the weight is of deeds not of talks. Simply talking is nothing but poetry which is unbecoming of a caller to a revolutionary message. The reality of this is the proclamation of the Quran: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (36:69) – We neither taught such poetry to Our Messenger, nor is it worthy of a person who has been assigned to deliver such a revolutionary and vital message.

So, please always keep in front of you the revolutionary message that you have committed yourselves to – and then think how great is this responsibility that you have undertaken and how precious is your every breath of life for this purpose? Please also note that it is only your movement – consisting of a small band of devotees – that has risen to deliver this Quran's revolutionary voice on

the face this Earth. The eyes of the world are set on you to see as to when the bold claim – that the solution of humankind's problems and suffering is with you – is going to be realized in practice. Research scholars from America and Europe come to me and when I present the idea of the Quranic system to them then I see a glow in their eyes. They become very thankful about it. But with subtle hesitation they say that who knows this system could be implemented in these times? When I tell them that we are trying very hard for it then their last words before departing are: we will be watching very carefully your efforts in this direction! From this you can very well imagine, my dear friends, what this responsibility is that you have undertaken on your shoulders; and how important it is to fulfill our claim? In your efforts lies the future welfare of entire humanity. If you shirk *this* responsibility then please think of how great a crime this will be considered in the court of Allah? Therefore, please put your heart and soul into this effort of spreading this message. It should not be the case that the destiny of humankind linked with enlightened hope of your efforts should become disillusioned and start crying in sadness and agony:

The smile came to us after a long time of fear;
But it was so bitter that it brought out bitter tears!

My dear friends, whatever I had to say I have said. This year my address to you is little short. This is because whatever details are needed about the Quranic constitution I will provide that in the open forum.

At this time, let me express my heartfelt thanks to you that you decided to participate in this gathering despite facing hardships of travel. As I have mentioned before, your arrival here for this gathering turns my solitude into joy of companionship – and this increases my age and my desire to live longer! May Allah increase the depth and breadth of your love and sincerity! And the purpose that you have undertaken in this journey, May the cosmic forces be your partner in this mission! My condition is that every breath of my life is spent in waiting for the establishment of this universal Quranic sustenance which guarantees that humanity will find its lost paradise once again. All night and day I call upon this lost paradise to arrive as soon as possible.

Do come on the shoulders of my restless hopes and aspirations;
I have been watching for a very long time; for your striding way!

I am sure that your beautiful wish is also included in this, my innocent wish.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

محسوس سجدہ اس کے اس پرخلوص جذبہ کا بیساختہ مظہر نہیں اور محض (Form) ہی (Form) ہے' تو اس سجدے کے کوئی معنی نہیں۔ درحقیقت رکوع وسجود وعبادت کی روح انسان کے جذبہ فرماں پذیری اور اطاعت کے محسوس مظہر ہیں۔ اگر انسان خدا کی اطاعت تو نہ کرے اور صرف اس محسوس شکل کو مقصود بالذات سمجھ لے' تو نہ صرف خدا کی میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں بلکہ قرآن کریم کے الفاظ میں انسان کے لئے تباہی کا موجب ہے۔ قرآن کریم میں ان محسوس ارکان (Form) کی تھوڑی سی شکل صلوٰۃ اور حج کی تقاریب میں باقی رکھی گئی ہیں اور وہ بھی انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی عمل ہیں۔ جن میں ضروری ہوتا ہے کہ ان کی محسوس شکل میں یک جہتی اور ہم شکلی ہو۔ یہ اجتماعی شکل نزول قرآن کے وقت میں' نبی اکرم ﷺ اور جماعت مومنین میں رائج تھی اور مساجد میں ادا کی جاتی تھی۔ جس طرح سجدہ سے مراد صرف سر کو زمین پر رکھنا نہیں بلکہ اس سے مفہوم قوانین خداوندی کے سامنے سر جھکا دینا بھی ہے' اسی طرح مسجد سے بھی بالخصوص وہ عمارت نہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جو نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں لیا جاتا تھا جو اس نظام کا مرکز ہو جس کی رو سے قوانین خداوندی کی اطاعت کی یا کرائی جائے۔ اس میں اسلامی مملکت کے مختلف امور سرانجام دیئے جا سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی رو سے ''عبادت'' کے معنی اطاعت کے ہیں اور دنیا کا کوئی کام جو قوانین خداوندی کے مطابق کیا جائے عبادت ہو جاتا ہے۔ اجتماع صلوٰۃ بھی چونکہ قانون خداوندی کی اطاعت ہے اس لئے وہ بھی عبادت ہے۔ ''عبادت'' کے لئے کسی ایسے الگ مکان کی ضرورت نہیں جس میں اور کچھ نہ کیا جا سکے۔

عبادت کا مفہوم سمجھنے کے لئے یہ ملحوظِ نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ:

(1) قرآن میں جہاں اللہ کی عبادت کا ذکر ہوگا' اس کے معنی قوانین خداوندی کی برضا ورغبت اطاعت ہوں گے (1:5)۔

(2) قرآن میں جہاں طاغوت اور شیطان کی عبادت کا ذکر ہوگا' اس سے مفہوم یا تو انسانوں کے خود اپنے جذبات یا من دون اللہ' باطل پرست مذہبی پیشواؤں کی اطاعت ہوگی' اِن سے منع کیا گیا ہے (30:13, 19:44)۔

(3) قرآن میں جہاں بتوں یا دیوی دیوتاؤں کی عبادت کا ذکر ہوگا' وہاں مفہوم اِن کی توہم پرستانہ پرستش ہوگا (19:42)۔

(4) قرآن میں عبادُ الرَّحمٰن کے معنی ہیں وہ لوگ جو زندگی کی ہر سانس میں قوانین خداوندی کی اطاعت کریں (51:56)۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

PUBLISHED SINCE 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL.NO. 28
VOL. 71
ISSUE
5

Monthly
TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546, 042-35753666
E-mail:idarati@gmail.com
Web:www.toluislam.com www.facebook.com/talueislam/

محنت کشوں کو سلام!

بندۂ مزدور کو جاکر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا، ہے یہ پیامِ کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

(اقبالؒ)